مجلس ادارت

جلد ۷۰ ماہ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۲ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

ہندوستان کے اسلامی کتب خانون کی بربادی کی داستان بڑی دردناک ہے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب مین مسلمانون کی سیاسی و اقتصادی تباہی، اور علمی زوال کے بعد ہزارون نادر و نایاب کتابین یورپ خصوصاً لندن پہنچ گئین، جو آج تک اس کے کتب خانون کی زینت ہین، اور بے شمار کتابین اُن کے مالکون کی غفلت اور نااہلی کی وجہ سے ردی کی ٹوکری اور کیڑون کی نذر ہوگئین، اس بربادی کے بعد بھی بڑے کتب خانون کے علاوہ ان قصبات و دیہات تک مین جہان مسلمانون کے قدیم گھرانے آباد ہین، بکثرت چھوٹے چھوٹے شخصی کتب خانے موجود ہین، جن مین بعض اوقات ایسی نادر و نایاب کتابین مل جاتی ہین، جو بڑے بڑے کتب خانون مین نہین ملتین، مگر یہ ذخیرہ بھی رفتہ رفتہ برباد ہوتا جارہا ہے، اگر اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا گیا، تو چند دنون مین باقیماندہ کتابین بھی بے نام و نشان ہوجائین گی،

ان کتابون کی حفاظت کا احساس سب سے پہلے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بانیون کو ہوا تھا، چنانچہ انھون نے کانفرنس کے مقاصد مین ایک مقصد ان کتابون کی تلاش اور ان کا تحفظ بھی رکھا تھا، مگر کانفرنس کے دور عروج مین اس کو دوسری تعلیمی ذمہ داریون کی وجہ سے اس کام کا موقع نہ مل سکا، پھر وہ بے جان ہوگئی، مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم نے اپنی سکریٹری شپ کے زمانہ مین از سرِ نو اسکی تحریک کی مگر وہ بھی آگے نہ بڑھ سکی،

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد پھر بھی مسلمانون کی ایک حیثیت اور اُن مین اسلامی علوم کا کچھ نہ کچھ ذوق باقی رہ گیا،

اور انگریزی حکومت بھی کسی نہ کسی حد تک مشرقی علوم و فنون کی قدردان و سرپرست تھی، اس لئے اُن کا نام و نشان باقی رہ گیا تھا، مگر نئے انقلاب مین ان تمام چیزون کا خاتمہ ہوگیا ہے، اور جدید تعلیمی نظام مین جب اردو زبان تک کی گنجایش نہین ہے، تو دوسرے اسلامی علوم و فنون اور اُن کی نادر و نایاب کتابون کی حفاظت کا کیا سوال، اس لئے اب یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہم ہوگیا ہے، یہ کتابین اور کتب خانے جن لوگون کی ملک ہین، ان مین نہ اُن کا مذاق ہے، اور نہ اُن سے فائدہ اٹھانے اور انکی حفاظت کی صلاحیت ہے، اس لئے اگر اُن کے تحفظ کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ بچی کھچی کتابین بھی چند دنون مین برباد ہوجائین گی، اُن کی حفاظت کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اور دار المصنفین وغیرہ اسلامی ادارون کو دیدیجائین، اس سے ان کی حفاظت کا سامان بھی ہوجائے گا، اور اُن سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکے گا،

اسلامی علوم اور اُن کی نادر و نایاب کتابون سے اسلامی ملکون کی دلچسپی کا یہ حال ہے کہ ابھی چند مہینے ہوئے، عرب لیگ کی جانب سے ہندوستان کی نادر و نایاب کتابون کا پتہ چلانے اور اُن کے فوٹو لینے کے لئے ایک وفد آیا تھا جس نے سارے ہندوستان کا دورہ کیا، ایسی حالت مین کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے ملک کے کتب خانون اور اُن کی نادر و نایاب کتابون کی حفاظت کا سامان بھی نہین کرسکتے، اگر اس کام کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اپنے ہاتھ مین لے اور دوسرے اہل علم خصوصاً شخصی کتب خانون کے مالک فیاضی اور کشادہ دلی سے کام لین تو اسلاف کی یہ علمی دولت تباہی سے بچ سکتی ہے،

اس سلسلہ مین ایک بات اور کہنے کی ہے، متحدہ ہندوستان مین ادارہ معارف اسلامیہ لاہور مسلمانون کا ایک ایسا ادارہ تھا جس کے جلسون مین اسلامی علوم کے فضلاء اپنی تحقیقات پیش کیا کرتے تھے، مگر ہندوستان کی تقسیم کے بعد یہان اس قسم کا کوئی ادارہ باقی نہین رہ گیا جو ہندوستان مین اب بھی چار کروڑ یعنی پاکستان کے

انڈونیشیا کے علاوہ تمام اسلامی ملکون سے زیادہ مسلمان آباد ہین، اور اُن کے لئے ان تمام اسباب و وسائل کی ضرورت ہی جو اُن کی کلچرل اور ملی خصوصیات کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہین، ان مین مذکورہ بالا علمی وسائل بھی ہین امید ہو کہ اسلامی علوم کے فضلاء ہماری اس تجویز پر غور کرین گے، دارالمصنفین اس کام مین ممکن اعانت کیلئے تیار ہے
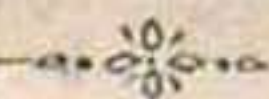
مشرقی پاکستان مین اردو زبان کا مذاق پیدا کرنے کے لئے اس کے ستھرے لٹریچر اور اچھے اخبارات و رسائل کی بھی ضرورت ہی جن کی وہان بڑی کمی ہی، اس ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹر عندلیب شادانی صدر شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی نے خاور کے نام سے ایک رسالہ نکالا ہی، اس کے چند نمبر ہماری نظر سے گذرے، یہ رسالہ ادبی حیثیت سے ہندوستان کے کسی اچھے ادبی رسالہ سے کم نہین ہی، اردو زبان مین خود بڑی جذب و کشش ہی، اس کے ذوق شناس ہوجانے کی شرط ہے، پھر تو وہ خود دلون مین گھر بنا لیتی ہے، اس مقصد کے لئے مشاعرے بھی بہت مفید ہین، اب مشرقی بنگال مین اردو کے اتنے لکھنے والے پہنچ گئے ہین کہ یہ کام آسانی سے انجام پا سکتا ہے،
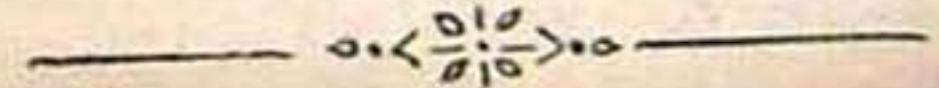
دارالمصنفین کی نئی کتاب "اسلام اور عربی تمدن" چھپ کر تیار ہوگئی ہے، اس مہینہ کے آخر تک شائع ہوجائے گی، یہ کتاب شام کے مشہور فاضل کرد علی کی تصنیف الاسلام والحضارۃ العربیۃ کا اردو ترجمہ ہے، اس مین ان تمام اعتراضات کا محققانہ جواب دیا گیا ہے، جو عموماً اسلام پر مستشرقین کی جانب سے کئے جاتے ہین، اس سلسلہ مین اسلام کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ اور دنیا خصوصاً یورپ پر اس کے روحانی و اخلاقی اور علمی و تمدنی احسانات کی تفصیل آگئی ہی، اسکی ضخامت سوا چار سو صفحات ہے،

مقالات

جنایات بوجہ غفلت

از

ڈاکٹر محمد غوث ایم، اے، پی، ایچ، ڈی،

"اسلامی فقہ اور قانونِ انگلستان کا تقابلی مطالعہ نہایت مفید اور دلچسپ موضوع ہے مگر اس کے لئے دونون سے واقفیت ضروری ہے، فاضل مقالہ نگار نے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ایک مبسوط و محققانہ مقالہ لکھا تھا، جس کا پہلا نمبر اپریل ۱۹۵۱ء کے معارف مین شائع ہوا تھا، اس کے بعد مضمون نگار مشرق وسطی کی طویل سیاحت پر چلے گئے، اس لئے دوسرے نمبر کی اشاعت کی نوبت اتنے دنون بعد آئی، یہ مقالہ بالاقساط معارف مین شائع کیا جائے گا، امید ہے کہ فقہاء اور وکلاء اس کو خاص طور سے دلچسپی سے پڑھین گے،" "م"

جنایات بوجہ غفلت کے مقالہ کا دوسرا باب اس امر پر مبنی ہے کہ غفلت کا ذہنی اور خارجی مفہوم کیا ہے،

یہ باب دو فصلون پر مشتمل ہے پہلی فصل مین اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ انگلستان کے اصول قانون کی رو سے غفلت کی اصطلاح نہ صرف ذہنی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے بلکہ خود اس فعل پر بھی بنفسہ اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ جو اس ذہنی کیفیت کی بنا پر وقوع مین آیا،

اسلامی فقہا کے بیانات سے بھی یہی امر واضح ہوتا ہے کہ خطا کا اطلاق ذہنی اور خارجی دونوں نوعیتوں پر ہوتا ہے، اور جس طرح ذمہ داری عائد کرنے مین قانون انگلستان کی رو سے دونون قسم کی غفلت مین کوئی فرق نہین ہے، اسی طرح اسلامی فقہا بھی ذمہ داری عائد کرنے مین کوئی فرق نہین کرتے،

دوسری فصل مین بحث کے تین نقاط ہین،

۱۔ یہ کہ غفلت امر خارجی ہے، یا امر ذہنی،

۲۔ یہ کہ دیوانی نوعیت کی ذمہ داری عائد کرنے کی حد تک غفلت کو امر خارجی یا امر ذہنی قرار دینے سے کوئی فرق پیدا نہین ہوتا، ذمہ داری ہر اس صورت مین قائم ہو جائے گی، جب کہ غفلت صادر ہو کر دوسرے کے نقصان کا باعث ہو،

۳۔ اس دوسرے مسئلہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو امور ظاہر مین واقع ہوتے ہین انھی پر قانونی اثر مترتب ہوتا ہے،

پہلے مسئلہ کے متعلق قانون انگلستان کے اساتذہ کو اس امر مین اختلاف ہے کہ غفلت امر خارجی ہے، یا امر ذہنی، لیکن اس کے باوجود دوسرے مسئلہ کے متعلق گویا قطعیت کے ساتھ یہ اصول طے کر دیا گیا ہے کہ دیوانی نوعیت کی ذمہ داری عائد کرنے مین غفلت کو امر خارجی یا امر ذہنی قرار دینے سے کوئی فرق پیدا نہین ہوتا، رہا تیسرا مسئلہ اس کے متعلق بھی انگلستانی قانونی زعمانے طے کیا ہے کہ جو امور ظاہر مین واقع ہوتے ہین، انھی پر قانونی اثر قائم ہوتا ہے،

ان تینون مسئلون کے متعلق اسلامی ارباب فقہ کی رائین نیچے بیان کی جاتی ہین،

عام طور سے جنایات کو امر خارجی قرار دیا گیا ہے، چنانچہ امام شافعی نے صراحت سے لکھا ہے کہ انما الجنایۃ الفعل لا الارادۃ[1] سب اسلامی فقہا نے خطا (غفلت) کو جنایت مین ہی شمار کیا ہے،

---

[1] کتاب الام جلد ۶ ص ۱۷۳،

اس لحاظ سے خطا کا اطلاق بھی فعل پر ہو گا نہ کہ ارادہ پر،

۲۔ عام طور پر سے اسلامی فقہا نے خطا کو، گو امر خارجی قرار دیا ہے لیکن انھون نے بھی خطائی الفعل اور خطائی الظن کے مباحث پیدا کئے ہین لیکن ساتھ ہی یہ طے کر دیا ہے کہ دونون نوعیتون کی خطا مین ذمہ داری لامحالہ عائد ہو جائے گی،

۳۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے،

اسلامی فقہ کا یہ ایک عام اصول ہے کہ

"دلون کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور اس پر اس نے عتاب مقرر کیا ہے، لیکن اللہ کی مخلوق مین کوئی فرد اس امر کا مجاز نہین ہے کہ علانیہ جو امور ظاہر ہوے ہین ان کے سوا کسی اور بنا پر کوئی حکم لگائے اِنّما الحکم علی الظاہر"[1]

اسی سلسلہ مین امام شافعی نے بیان کیا ہے :۔

"کسی حاکم کے لئے یہ امر جائز نہین ہے کہ کسی شخص پر ظاہر کردہ امور سے ہٹ کر کوئی حکم لگائے اور معاملہ کے متعلق نیت، سبب، ظن اور تہمت کے بارے مین جو امر اللہ تعالیٰ سے حاکم سے پوشیدہ رکھا ہے، اس کی بنا پر کسی شخص کے خلاف کوئی حکم جاری نہ کرے"[2]

اسی اصول کو امام شافعی نے ایک اور مقام پر یون واضح کیا ہے :

"سارے اسرار اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، حلال اور حرام اسی کے علم کے لحاظ سے ہے، حکم ظاہر پر لگایا جائے گا، چاہے یہ حکم ان اسرار الٰہی کے موافق ہو یا غیر موافق"[3]

یہ اصول ایسا ہے کہ اس کے متعلق تمام اسلامی مکاتب فقہ مین کوئی اختلاف نہین ہے، چنانچہ

---

[1] امام شافعی کتاب الام جلد ۶ ص ۱۹۹ [2] کتاب الام جلد ۶ ص ۲۰۲،

[3] کتاب الام جلد ۶ ص ۳۰۲

امام اعظم کے مسلک کو علامہ علاء الدین کاشانی نے یون واضح کیا ہے کہ

"اضافۃ الاحکام الی الاسباب الظاھرۃ اصل فی الشریعۃ"[1]

اس کا مطلب یہ ہو کہ شریعتِ اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ اسبابِ ظاہری ہی کی بنا پر احکام جاری کئے جاتے ہین،

قانونِ انگلستان کے سلسلہ مین اس بات کی تحقیقات کو چھوڑ کر کہ آیا جنایات کے لئے بھی "تحقیقات بذریعۂ جنگ" اور "آزمایش غیبی" کے طریقے رائج تھے یا نہین، یہ بات واضح ہے کہ کسی معاملہ کو جانچنے کا معیار ظاہر ہی ہے، چنانچہ تھامس بی ون نے واضح کیا ہے کہ اگر کسی فعل کا صدورِ ظاہری قانون کے مطابق ہو، تو قانون اس امر سے بالکل بحث نہین کرتا کہ اس فعل کی وجہ تحریک کیا تھی، اس صورت مین کسی قسم کی کوئی ذمہ داری فاعل پر عائد نہین ہوگی، گو وجہِ تحریک قانوناً ناجائز کیون نہ ہو، اور اگر اس کے برعکس وجہِ تحریک قانون کی رو سے درست بھی ہو لیکن فعل کا صدورِ ظاہری مطابقِ قانون نہ ہو تو اس صورت مین فاعل ذمہ داری سے نہ بچ نہین سکے گا،[2]

تیسرا باب احتیاط

پہلی فصل

احتیاط برتنے کا فرض — از روئے قانون ہر شخص تاوقتیکہ وہ دوسرون کی مماثل آزادی مین حارج نہ ہو، غیر محدود آزادیٔ عمل کا مستحق ہے، البتہ کسی شخص کو یہ نہ چاہیئے کہ کسی دوسرے شخص کو مضرت پہنچانے کے لئے کسی فعل کا ارتکاب کرے،[3]

---

[1] بدائع الصنائع جلد ۷، ص ۲۷۰، [2] کنی کی جنرل انا لاٹسیز پہلی جلد ص ۱۶، نیز کامن لا آف انگلینڈ ہولمس (Halmse) ص ۱۱۰ مطبوعہ ۱۹۰۹ء، [3] بی ون مجمک نی جنس ان لا اپلی جلد ص ۱۱۰،

مخفی نہ ہو کہ قانون کی قوت کا اصلی کام اقامت حقوق ہے، اور ہر حق اپنے ساتھ ایک فرض لاتا ہے، حقوق و فرائض باہم لازم ملزوم ہین، اس لحاظ سے قانون کا کام نہ صرف اقامتِ حقوق، بلکہ تنظیم فرائض بھی ہے،[1]

اور یہ صرف اس ظاہری معنی مین نہین ہو کہ جب ایک شخص کو کوئی حق حاصل ہے، تو دوسرے افراد پر اس حق کی حرمت فرض ہوجاتی ہے، بلکہ اس دقیق تر معنی کے لحاظ سے بھی ہے کہ جب کوئی انسان کسی حق کا مستوجب ہوتا ہے، تو ساتھ ہی ساتھ اس حق کو فلاح عام کے لئے استعمال کرنے کا فرض بھی اس پر لازم ہوجاتا ہے،[2]

اس اصول کی مثال یہ ہے کہ حقِ ملکیت کے ساتھ یہ فرض بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس حق کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ سود و بہبود عام کے خلاف نہ ہو،[3]

یہ تو قانونِ انگلستان کی توضیح ہوئی، شریعت اسلامی کا بھی ایک قطعی اصول یہ ہے کہ

"لاضرر، لاضرار"[4]

یعنی نہ تو خود نقصان اٹھائے اور نہ دوسرے شخص کو نقصان پہنچائے، اس بنا پر یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو اپنی جائداد مین تصرف کرنے سے کبھی روکا نہین جاسکتا، سوا اس کے کہ کسی تصرف سے دوسرے شخص کو ضرر فاحش ہو،[5]

قانونِ جنایات کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور انسان کے حقوق کو اپنی زبان یا عمل سے مجروح نہ کرے،[6]

---

[1] و [2] میکنزی علم الاخلاق ترجمہ مولوی عبدالباری (سلسلۂ جامعہ عثمانیہ) ص ۲۸۵، [3] آجس کامن لا، پہلی جلد ص ۳۱، [4] امام مالک، الموطا، کتاب الاقضیہ، القضا فی المرفق، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، [5] مجلۃ الاحکام مادہ ۱۱۹۷، [6] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۸ ۱۹۲۸ء،

یہ وہی اصول ہے کہ جس کو حضرت شارع علیہ السلام نے یوں واضح فرمایا ہے کہ

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ"[1]

مختصر یہ کہ حقوق و فرائض کا انتہائی مدعا یہ ہے کہ جس قوم میں ہم ہیں اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ بہبود

کی خاطر ہماری زندگی کی نشو و نما کے لئے جو وسائل درکار ہیں، ان پر ہم کو پورا حق حاصل ہے،

اور ان وسائل کو اس اعلیٰ مقصد کے بہترین حصول کے لئے استعمال کرنا ہمارا فرض ہے"[2]

اس توضیح کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ غفلت اور احتیاط برتنے میں کیا تعلق ہے،

واضح رہے کہ کسی شخص سے غفلت کا ارتکاب اسی وقت قرار دیا جائے گا، جب کہ پیش آمدہ

مخصوص صورت میں مدعی علیہ پر یہ فرض قانونی عائد ہو کہ وہ احتیاط برتے،[3]

دوسرے الفاظ میں غفلت کی بنا پر ہرجہ کا دعویٰ صرف اس صورت میں ہو سکے گا جب کہ

یہ ثابت ہو کہ مدعی علیہ پر احتیاط برتنے کی قانونی ذمہ داری عائد تھی،

اگر کوئی قانونی ذمہ داری نہ ہو تو کوئی دعویٰ نہ ہو سکے گا،[4]

اس طرح یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے متعلق کسی معاملہ میں احتیاط سے

عمل کرنے کے لئے ذمہ دار ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی اور شخص کے تعلق سے ایسی

کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو،[5]

مثال: کسی مکان کے قابض پر یہ ذمہ داری عائد ہے کہ جائز طور سے اس کے احاطہ میں

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، نیز باب ای الاسلام افضل [2] میکنزی علم الاخلاق ترجمہ مولوی عبدالباری (سلسلۂ جامعۂ عثمانیہ) ص ۲۹۰ و ۲۹۱ [3] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص [4] ۱۹۲۸ء [5] انڈین قانون ٹارٹ ترجمہ راے بیجناتھ (سلسلۂ جامعہ عثمانیہ) ص ۱۲۸ [6] لا آف ٹارٹس ص ۲۵ ۱۹۲۸ء،

داخل ہونے والوں کی سلامتی کا خیال رکھے، اور ان کو کسی پوشیدہ خطرہ میں گھر جانے نہ دے، لیکن

قابض مکان کسی مداخلت بے جا کرنے والے کے متعلق کسی طرح ذمہ دار نہیں ہے،

اس طرح قانونِ انگلستان کی رو سے یہ امور متعین ہوئے کہ

۱- غفلت ثابت کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ خاطی پر احتیاط برتنا قانوناً لازمی ہو،

۲- یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی فعل کسی سلسلۂ واقعات میں غفلت قرار پائے لیکن وہی فعل کسی دوسرے

سلسلۂ واقعات میں غفلت نہ قرار پائے،

اسلامی فقہا کا مسلک

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ان مسئلوں میں اسلامی فقہا نے کیا مسلک اختیار کیا ہے؟

۱- اسلامی فقہا نے بھی کسی فعل کو خطا اس بنا پر شمار کیا ہے کہ خاطی وہ احتیاط عمل میں نہیں

لایا، جو اس پر واجب تھی،

خطا کو امور مکتسبہ میں شامل کرنے کی وجہ علامہ بحر العلوم نے یہ بتائی ہے کہ اس کا وقوع ایک

ایسی بے احتیاطی سے وقوع میں آتا ہے کہ جو باعثِ تقصیر ہے، "لانہ حدث من عدم التثبت

الذی ھو من تقصیر"[1]

اس کے علاوہ علامہ بحر العلوم ہی نے واضح کیا ہے کہ خطا کو جنایت میں اس وجہ سے شمار کیا جاتا

ہے کہ احتیاط واجب کو عمل میں نہیں لایا گیا، "فیہ جنایۃ لعدم التثبت والاحتیاط الواجبتین"[2]

چند فقہی مثالیں

اسی سلسلہ میں فقہ کی کتابوں سے چند مثالوں کی صراحت نامناسب نہ ہوگی،

۱- امام شافعی نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نشانہ لگانا چاہے، تو اس سے نہ کسی مسلم کی ہلاکت

عمل میں آنی چاہئے اور نہ کسی مسلمان کے حق کا اتلاف ہونا چاہئے،[3]

[1] و [2] فواتح الرحموت ص ۸۲، مطبع نولکشور لکھنو، ۱۹۰۳ء،

[3] کتاب الام جلد جلد ۶ ص ۱۷۱،

۲۔ علامہ دبوسی نے صراحت کی ہے کہ کسی شکاری کو شکار کرنے کی اجازت سلامتی کی شرط کے ساتھ حاصل ہے،

"رامی الصید ماذون بشرط السلامۃ"[۱]

۳۔ علامہ سرخسی نے واضح کیا ہے کہ

"قتل جیسے امر عظیم میں انسان تا وقتیکہ احتیاط برتنے میں تہاون نہ کرے بلا قصد بہت کم مبتلا ہوتا ہے، ہر شخص پر لازم ہے کہ احتیاط (تحرز) برتنے میں پوری پوری کوشش عمل میں لائے، تاکہ قتل کے جیسے امر عظیم میں پھنس نہ جائے، اگر احتیاط عمل میں نہ لائے تو وہ ترک احتیاط کی وجہ سے قصور وار ٹھہریگا"[۲]

۴۔ علامہ سرخسی نے ایک دوسرے مقام پر اس مسئلہ کی مزید صراحت یہ کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے غیر مملوکہ مقام پر نہر کھودی، اس نہر سے پانی بہ نکلا، اس کی وجہ سے کوئی زمین یا قریہ غرق ہوگیا، اس کی بنا پر نہر کھودنے والے پر ذمہ داری عاید ہوجائے گی، کیونکہ اس نے غیر کی مملوکہ زمین میں پانی بہانے کے اسباب پیدا کردیئے، اس بارے میں دو قول ہوں گے، ایک یہ کہ نہر کھودنے والے سے تعدی کا صدور ہوا، دوسرے یہ کہ نہر کھودنا تو مباح تھا، لیکن اباحت شرط سلامتی کے ساتھ مقید تھی، اور اس نوعیت کے اتلاف سے احتیاط (تحرز) ممکن تھی، اس لئے لامحالہ ذمہ داری عائد ہوجائیگی، اس کی مثال اس طرح ہے، جیسے کہ راستہ پر پیدل چلنا یا کسی چوپایہ پر سوار ہوکر نکلنا (یہ بھی شرط سلامتی کے ساتھ مباح ہیں) اگر نہر اپنی مملوکہ زمین پر کھودی ہو تو پھر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، کیونکہ یہ امر مباح مطلق ہے؛[۳]

راستہ پر چلنے کے لئے شرط سلامتی کی جو قید ہے، اس کی تصدیق علامہ کاشانی، اور علامہ مرغینانی

---

[۱] تاسیس النظر دبوسی ص ۱۰ المطبعۃ الادبیۃ مصر [۲] مبسوط سرخسی جلد ۲۶، ص ۲۵ [۳] ایضاً جلد ۲۷ ص ۲۳،

نے بھی کی ہے[۱]

امام اعظمؒ نے تو شرط سلامتی کو بہت وسعت دی ہے، اور قرار دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی سلامتی کی شرط کے ساتھ اس طور سے ماذون ہے کہ مال کا اتلاف عمل میں نہ آئے[۲]

گویہ امر درست ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں نے اس وسعت کو محدود کیا ہے، اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی اتلاف کسی اذن شرعی کی بنا پر عمل میں آئے، تو اس کی وجہ سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی[۳]

لیکن شرط سلامتی کی اصلی شرط اُن کے ہاں بھی مسلّم ہے، فروع میں سبب متعین کرنے میں اختلاف ہو تو اس سے اصول پر کوئی اثر نہیں پڑتا،

راستہ پر چلنے کے سلسلہ میں خود حضرت شارع علیہ السلام کے اقوال بھی موجود ہیں، چنانچہ فرمایا کہ

"لیس للنساء وسط الطریق"[۴]

احتیاط کے پیش نظر عورتوں کو وسط راستہ پر چلنا نہ چاہئے، نیز عورتوں کو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"علیکن بحافتی الطریق"[۵]

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورتوں کو (بہ لحاظ احتیاط) راستہ کے بازوؤں پر چلنا چاہئے، ان احادیث کی بنا پر بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر راستہ کے کناروں پر کسی شخص سے خطاء کا صدور ہوجائے، اور اس سے کسی عورت کو ضرر پہونچے، تو خاطی پر ذمہ داری عائد ہوجائے گی، کیونکہ راستہ کے دونوں بازو عورتوں کے چلنے کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں[۶]

---

[۱] بدایع الصنائع جلد ۷، ص ۲۷۰، الہدایہ آخری دو جلدیں ص ۴۹۵ [۲] و [۳] تاسیس النظر ص ۱۰،

[۴] کتاب الدیات ابو بکر احمد بن عمرو النبیل ص ۹۲ مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ [۵] و [۶] کتاب الدیات ص ۹۴ مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ،

بہرحال فقہ اسلامیہ کا بھی یہ اصول ٹھہرا کہ خطا (غفلت) کا صدور اسی وقت قرار دیا جائے گا،

جب کہ احتیاط برتنا شرعاً واجب ہو،

۲- اب یہ دیکھنا ہے کہ کسی فعل کے ایک سلسلۂ واقعات مین غفلت قرار پانے اور ایک سلسلۂ واقعات مین غفلت نہ قرار پانے کے متعلق فقہ اسلامی مین کیا صورت ہے، اس بارے مین مناسب یہی ہوگا کہ ایک سے زیادہ مثالین دیکھ کر نتیجہ اخذ کیا جائے، اس کی چند مثالین ذیل مین درج کی جاتی ہین،

۱- ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس کانچ کے چند برتن امانت رکھوائے، امین نے اپنے مکان مین ان کی حفاظت کرنے کے خیال سے برتنون کو اپنے ہاتھ مین لیا، اور کسی صدمہ سے جو امین کے کسی فعل کا نتیجہ نہین تھا، برتن ٹوٹ گئے، تو اس کی وجہ سے امین پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، لیکن اگر امین کی خطا سے گھر پہونچنے سے پہلے یا بعد مین برتن ٹوٹ جائین، تو اس صورت مین امین پر ذمہ داری عائد ہوگی،[1]

۲- ایک شخص نے کھانے مین زہر کی آمیزش کی، ایک دوسرا شخص پہلے شخص کے مکان مین اجازت حاصل کر کے آیا، اور بلا اجازت زہر آمیز کھانا کھا لیا، تو اس صورت مین پہلے شخص پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی،[2]

۳- ایک شخص نے کھانے مین زہر کی آمیزش کی، اور اس کو دوسرے کے سامنے پیش کیا، اور یہ بتلا دیا کہ کھانا زہر آمیز ہے لیکن دوسرے شخص نے یہ کھانا کھا لیا، تو پہلے شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی،[3]

۴- ایک شخص نے ایک گدہا کرایہ پر لیا تاکہ اس پر کچھ سامان لاد کر شہر کو لے جائے، اور سامان

لاد کر گدہے کو شہر کی جانب لے چلا، راستہ مین کسی ضرورت سے آدمی پیچھے رہ گیا، اور اور ایک دوسرے آدمی سے باتون مین مشغول ہوگیا، گدہا آگے چلا گیا، اور کسی وجہ سے ضائع ہوگیا، اس صورت مین، اگر گدہا نظر سے اوجھل نہین ہوگیا تھا، تو ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اور اگر نظر سے غائب ہوگیا تھا، تو ذمہ داری عائد ہو جائے گی،[1]

۵- ایک شخص نے اپنے گھر مین نشانہ اندازی کا انتظام کیا، اور ایک دن مقررہ نشانہ پر تیر چلایا، یہ تیر اس کے گھر سے تجاوز کر گیا، اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے شخص کے گھر مین کوئی چیز ضائع ہوگئی تو تیر چلانے والا شخص ذمہ دار ہوگا،[2]

۶- ایک شخص نے ایک چوپایہ ایک خاص مقام کی جانب جانے کی غرض سے مستعار لیا، اور اس کو پانی پلانے کے لئے فرات کی جانب لے چلا، فرات مقررہ مقام کی جانب نہین تھی، تو اس صورت مین اگر چوپایہ کو نقصان پہنچ جائے، تو مستعار لینے والا ذمہ دار ہوگا،[3]

ان مثالون سے واضح ہے کہ پہلی مثال مین ایک ہی نوعیت کے فعل سے ایک وقت مین بوجہ غفلت ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اور ایک وقت مین نہین، دوسری اور تیسری مثال مین کوئی ذمہ داری عائد نہین ہوتی، چوتھی مثال مین تھوڑے سے فرق کی وجہ سے ذمہ داری عائد ہوگی لیکن جو فرق پیدا کیا گیا ہے، اگر وہ نظر انداز نہ ہو جائے تو پھر کوئی ذمہ داری نہین عائد ہوگی، اسی طرح پانچوین اور چھٹی مثال مین بھی ایک ہی فعل ایک وقت ذمہ داری پیدا کر دیتا ہے، اور ایک وقت نہین،

بہرحال اس بحث مین اس سے زیادہ تفصیل ضروری نہین ہے، اور یہ معلوم ہوگیا کہ اسلامی فقہ اور قانون انگلستان دونون کی رو سے،

۱۔ غفلت اسی صورت مین جنایت ہوگی، جب کہ احتیاط برتنا لازم ہو اور

۲۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی فعل ایک سلسلۂ واقعات مین غفلت قرار پائے، اور دوسرے سلسلۂ واقعات مین غفلت نہ ہو،

دوسری فصل

معیار احتیاط

انگلستان کے قانون میں احتیاط کا معیار

انسانی افعال مین دوسرون کو ضرر نہ پہنچانے کے لئے جس احتیاط کو عمل مین لانا ضروری ہے اس کا قانونی معیار کیا ہے ؟

اس سلسلہ مین سب سے اول یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ قانون کسی شخص سے یہ نہین چاہتا کہ انسانی قدرت کا جو انتہائی درجہ ہے، اس کے مطابق احتیاط عمل مین لائے،

قانون کسی شخص سے یہ بھی نہین چاہتا کہ وہ کسی کام سے محض اس لئے باز رہے کہ اس کام مین خطرہ کا احتمال ہے مثلاً کسی آباد گلی مین گاڑی چلانا کوئی ایسا فعل نہین ہے کہ اس پر غفلت کا احتمال ہو سکے، حالانکہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ گاڑی چلانے کی بنا پر اتفاقی حادثات ہمیشہ ہوتے رہتے ہین لیکن ان حالات مین خطرہ کا اندیشہ اس قدر قلیل ہے کہ قانون اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ خطرہ جان بوجھ کر نہ پیدا کیا جائے،

اس کے ساتھ یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ یہ کافی نہین ہے کہ مدعی علیہ اپنی صواب دید پر اپنی قوت فیصلہ اور اپنے ایقان کے مطابق احتیاط کی پوری کوشش عمل مین لایا، اور اس قدر احتیاط برت لی جس قدر کہ اس کے یقین کے بموجب اُن حالات مین فہم اور انصاف کی رو سے عمل مین لانا ضروری تھا،

سالمنڈ لاآف ٹارٹس ص ۲۰، ۱۹۲۰ء

بلکہ ہمیشہ احتیاط کا وہ معیار مانا جائے گا، جو قانون نے قرار دیا ہے،

یہ امر کہ عمل مین کس قدر احتیاط کرنا چاہئے، ہر مقدمہ کے حالات پر موقوف ہے، مثلاً جو شخص کسی مجمع مین ننگی تلوار لئے جا رہا ہو تو اس کو اس شخص سے زیادہ احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے، جو چھڑی لے جا رہا ہو، اور چھڑی لے کر چلنے والے کو اس شخص سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، جو خالی ہاتھ جا رہا ہو،

احتیاط کا معیار کیا ہو

احتیاط کا معیار مقرر کرنے کے لئے دو امور پیش نظر رکھے جاتے ہین،

۱۔ اس خطرہ کی مقدار جس کو مدعی علیہ اپنے کسی فعل سے دوسرون کے لئے پیدا کرتا ہے،

۲۔ اس مقصد کی اہمیت جس کو کسی خطرناک فعل کی تکمیل سے حاصل کرنا مقصود ہے،

ذمہ داری مقصد کی اہمیت کے تناسب سے قائم ہوگی، مثلاً ریل گاڑیون کو پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلانے مین ریلوے کمپنیان بہت سے جان لیوا حادثات کی باعث ہوتی ہین، اگر دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑیان چلائی جاتین تو یہ حادثے وقوع مین نہ آتے لیکن یہ زائد تحفظ عامۃ الناس کی سہولت کو بہت بڑی حد تک قربان کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے،

اس لحاظ سے اس پیش بینی کو ترک کر دینے کی وجہ سے ریلوے کمپنیان اس معیار سے نیچے نہین اترتین، جو معقول احتیاط کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، اس لئے ریلوے کمپنیان ریل کو ۵۰ میل فی گھنٹہ چلانے مین کسی غفلت کی مرتکب نہین ہین،

قانون مختلف قسم کے مقدمات مین احتیاط کے مختلف معیار اور غفلت کے مختلف درجے تسلیم نہین کرتا، بلکہ واحد معیار یہ ہے کہ واقعات اور حالات کے اعتبار سے کسی معاملہ مین کسی محتاط آدمی سے جو احتیاط عمل مین آسکتی ہو اس پر عمل کیا جائے،

سالمنڈ لاآف ٹارٹس صفحہ ۲، ۳۵۲ء انڈر ہل، قانون ٹارٹ ترجمہ راے بجناتھ (سلسلۂ جامعہ عثمانیہ) ص ۱۳۸ و ۱۳۹، سالمنڈ لاآف ٹارٹس ص ۱۲۸، ایضاً ص ۱۲۸، ۲۵،

واحد معیار غفلت یہ ہے کہ اس مقدار احتیاط کو اختیار نہ کیا جائے جو کوئی محتاط آدمی کسی معاملہ میں عمل میں لاتا ہے، البتہ یہ درست ہو کہ ہر مقدمہ کے حالات کے اعتبار سے علٰحدہ علٰحدہ حکم لگایا جائیگا جیسے کہ تلوار اور چھتری کی مثال سے واضح کیا گیا ہے[۵۱]،

انگلستان کے قانون کا خلاصہ اس طرح معیار احتیاط کے بارے میں قانون انگلستان کے نقاط حسب ذیل ہیں،

۱- کسی کام سے محض اس لئے باز رہنا ضروری نہیں ہے کہ اس میں خطرہ کا احتمال ہے،

۲- احتیاط کا معیار بالعموم ہر مقدمہ کے واقعات پر موقوف ہے،

۳- انسانی قدرت کا جو انتہائی درجہ ہوتا ہے اس کے مطابق احتیاط عمل میں لانا ضروری نہیں ہے،

۴- یہ معیار پیش نظر رہے گا کہ واقعات اور حالات کے اعتبار سے کسی معاملہ میں کسی معقول (محتاط) آدمی سے جو احتیاط عمل میں آسکتی ہو اس پر عمل کیا جائے،

اسلامی فقہا کی رائے اب ان امور کے متعلق فقہائے اسلام کی قراردادوں کو سلسلہ وار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے،

۱- کسی کام سے محض اس لئے باز رہنا کہ اس میں خطرہ کا احتمال ہے، اسلامی فقہا کے نزدیک بھی ضروری نہیں ہے، فقہا کے نزدیک ایسے ذرائع کا روکنا جن سے فساد پھیلے ضروری ہے، اس طرح ایسے فعل کی بھی ممانعت ہے جس سے خود کسی مفسدہ کا قرینہ نہیں ہے، مگر وہ کسی دوسرے مفسدہ کا وسیلہ ہو سکتا ہے، اس سلسلہ میں ذرائع و وسائل کی تین قسمیں کی گئی ہیں،

۱- وہ ذرائع جن کی ممانعت پر اُمت کا اجماع ہے، مثلاً مسلمانوں کے آنے جانے کے راستہ پر کنواں کھودنا، جو اُن کی ہلاکت کا ذریعہ ہے،

[۵۱] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۴۲۹ ۔۔۔

۲- وہ ذرائع جنکی عدم ممانعت پر اُمت کا اجماع ہے، مثلاً شراب بنانے کے خوف سے انگور کی کاشت کی ممانعت نہیں کی جا سکتی، یا زنا کے خوف سے گھروں میں آقامت سے روکا نہیں جا سکتا،

۳- وہ ذرائع جن کی ممانعت یا عدم ممانعت کے متعلق اختلاف ہے[۵۲] مذکورہ بالا اقسام میں دوسری قسم سے یہ بات واضح ہے کہ کسی کام سے محض اس لئے باز نہیں رہا جا سکتا کہ اس میں خطرہ کا احتمال ہے،

اسی طرح جیسا کہ علامہ کاسانی نے صراحت کی ہے کہ کوئی شخص تلوار باندھنے سے اس لئے باز نہیں رہ سکتا کہ کسی شخص سے جس نے تلوار باندھی تھی، تلوار گر کر کسی دوسرے شخص کی ہلاکت کا باعث ہو گئی[۵۳] اس کی مزید صراحت آگے آئیگی،

۲- اب یہ دیکھنا ہے کہ احتیاط کا معیار بالعموم ہر مقدمہ میں واقعات اور حالات پر مقرر ہوتا ہے، یا نہیں،

قبل اس کے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اسلامی فقہار کا نقطۂ نظر متعین کیا جائے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں،

۱- ایک شخص ننگی تلوار پکڑے ہوئے راستہ میں چلا جارہا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اور ایک شخص کی جان چلی گئی، اس صورت میں تلوار باندھنے والے پر صدور خطار کی ذمہ داری عائد ہو جائیگی بخلاف اس کے اگر یہی شخص تلوار باندھے جارہا ہو اور تلوار گر پڑے، اور نتیجۃً ایک شخص ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی[۵۴]،

۲- ایک باشندہ نے دوسرے شخص کا کپڑا نقش و نگار بنانے والے کے گھر چھوڑ دیا، رات میں یہ کپڑا چوری ہو گیا، اگر مکان اس طرح محفوظ تھا کہ وہاں کپڑے چھوڑے جا سکتے تھے، تو باشندہ پر کوئی ذمہ داری

[۵۲] الفروق قرافی جلد ۲ ص ۳۲ مطبوعہ مصر، [۵۳] بدائع الصنائع علاء الدین کاشانی ساتویں جلد ص ۲۷۲

عائد نہ ہوگی، اگر مکان محفوظ نہیں تھا، اور اس کے جیسے مکان میں کپڑے چھوڑے نہیں جا سکتے
تھے، تو اس کی دو صورتیں ہوں گی، اگر کپڑے کا مالک اس کپڑے کو اس مکان میں چھوڑنے
پر رضامند تھا، تو بافندہ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، اور اگر مالک رضامند نہیں تھا، تو
بافندہ ذمہ دار قرار دیا جائے گا[1]،

۳۔ ایک شخص حمام میں داخل ہوا، حمام کا ایک کاسہ اس کے ہاتھ سے حمام میں گر پڑا، اور
ٹوٹ گیا، اس صورت میں اگر کاسہ سوء امساک کی وجہ سے گر پڑا تو اس صورت میں ذمہ داری عائد
نہ ہوگی، ورنہ ذمہ داری عائد ہوگی[2]،

۴۔ ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں گڑھے کھودے، اگر کوئی شخص اس گڑھے میں گر جائے
تو گڑھے کھودنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، بخلاف اس کے اگر گڑھے عام راستہ میں کھودے
گئے اور کسی راہ رو کو اس سے نقصان ہوا تو ذمہ داری عائد ہوگی،

۵۔ کسی شخص نے ایک شخص کو اجرت پر تنور میں روٹی پکانے کے لئے رکھا مگر پکانے میں روٹی جل
گئی، اس صورت میں اس کام کے جاننے والوں سے دریافت کیا جائے گا، اور اگر یہ ثابت ہوجائیگا
اس قسم کی روٹی تنور کے زیادہ سلگا دینے سے تیار نہیں ہو سکتی تھی، تو ذمہ داری عائد
ہو جائے گی[3]،

۶۔ ایک شخص نے سواری کے لئے ایک چوپایہ کرایہ پر لیا، اور اس کے مارنے سے چوپایہ
ہلاک ہوگیا، چوپایہ کو مارنے کی دو صورتیں ہونگی، یا اس کے مالک کی اجازت سے مارا ہوگا، یا بلا اجازت
مارا ہوگا، اگر اجازت سے مارا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ بالعموم سوار ہی کے

---

[1] مجمع الضمانات ابو محمد بن غانم البغدادی ص ۲۸، [2] فتاوی قاضی خان جلد ۴ ص ۲۵۰،
[3] امام شافعی کتاب الام جلد ۶ ص ۱۶۶،

جانوروں کو جس طرح مارتے ہیں، اور جس مقام پر مارتے ہیں، اسی طرح مارا ہوگا، دوسرے یہ کہ معمول و
عادت سے زیادہ مارا ہوگا، اگر عادتی طور سے مارا ہوگا، تو ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اگر عادتی مقام سے
ہٹ کر کسی اور مقام پر مارا ہو اور اسکی وجہ سے ہلاکت واقع ہو تو ذمہ داری عائد ہوگی، اگر مالک کی
اجازت کے بغیر مارا ہوگا، تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ عادتی طور پر مارا نہ ہوگا، اور
دوسرے یہ کہ عادتی مقام پر مارا ہوگا، پہلی صورت میں ذمہ داری عائد ہو جائے گی، دوسری صورت
میں امام اعظم کے نزدیک ذمہ داری عائد ہوگی، اور امام ابویوسف و امام محمد کے نزدیک عائد نہ ہوگی[1]،

۷۔ الناطفی نے بیان کیا ہے کہ ایک لوہار نے اپنی دکان میں بیٹھ کر چاہا کہ اپنی بھٹی سلگائے تاکہ کام
کرے، دکان عام راستہ پر واقع تھی، لوہار نے بھٹی میں آگ سلگا کر لوہا گرم کیا، اور ہتھوڑے سے اس پر
ضرب لگانی شروع کی جس سے گرم لوہے کے ٹکڑے حسب عادت بکھر کر نکلنے لگے، اس کی وجہ سے کوئی
شخص فوت ہوگیا، یا کسی کی آنکھ پھوٹ گئی، یا کسی کا کپڑا جل گیا، یا کسی کا چوپایہ ہلاک ہوگیا، تو لوہار
پر ذمہ داری عائد ہو جائے گی، اور اگر اس نے ہتھوڑے سے لوہے پر ضرب نہیں لگائی تھی، بلکہ ہوا کی
وجہ سے آگ بھٹی سے اڑ کر عام راستہ پر پھیل گئی، اور اس کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوئی یا کسی کا
کپڑا جل گیا، یا کسی کا چوپایہ ہلاک ہوگیا، تو ذمہ داری عائد نہ ہوگی[2]،

ان مثالوں سے واضح ہوگا کہ احتیاط کا معیار بالعموم مقدمہ کے حالات پر ہے، ایک امر کسی
وجہ سے ایک مقدمہ میں خلاف احتیاط قرار پاتا ہے، لیکن وہی امر دوسرے مقدمہ میں کسی اور وجہ سے
خلاف احتیاط قرار نہیں پاتا،

۳۔ اس صورت میں آیا کیا یہ ضروری ہے کہ احتیاط برتنے میں انسانی قدرت کے انتہائی درجہ کو
استعمال کیا جائے اس کو واضح کیا جا چکا ہے کہ قانون انگلستان کی رو سے کسی شخص سے اس کی توقع

---

[1] فتاوی قاضی خان جلد ۳ ص ۷۰، [2] ایضاً جلد ۴ ص ۱۴۸،

نہیں کی جا سکتی، فقہ اسلامی کا نقطۂ نظر بھی اس سے مختلف نہیں ہے، چنانچہ قرآن شریف میں یہ وارد ہے کہ

"لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعها"[1]

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی قدرت سے بڑھ کر کسی امر شرعی کی بجا آوری کی زحمت نہیں دی جا سکتی، اس اصل اصول کے تحت کئی دوسرے اصول متفرع ہیں،

مثلاً (۳) المشقۃ تجلب التیسیر[2]	یعنی مشقت میں سہولت ملحوظ رہنی چاہیئے
۴- الضرر یدفع بقدر الامکان[3]	یعنی ضرر کو بقدر امکان دور کیا جائیگا،
۵- یلزم مراعات الشرط بقدر الامکان[4]	یعنی شرط کو بقدر امکان پورا کیا جائے گا،

۴- اب یہ دیکھنا ہے کہ اصلی معیار احتیاط کیا ہے؟[5]

یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ نہ صرف قانون انگلستان بلکہ قانون اسلام بھی کسی شخص سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنی قدرت اور وسعت سے بڑھ کر کوئی کام انجام دے، لیکن اس کے بعد احتیاط کے معیار کو مقرر کرنے میں قانون انگلستان میں یہ قرار دیا گیا ہے، کہ واقعات اور حالات کے اعتبار سے کسی معاملہ میں کوئی محتاط آدمی جو عمل اختیار کرتا ہو اس کے بموجب عمل اختیار کیا جائے، ظاہر ہے کہ اس قرار داد میں کوئی قطعیت نہیں ہے، بخلاف اس کے اسلامی فقہار نے احتیاط کا معیار "امکان" کو قرار دیا ہے، اگر کسی فعل سے احتراز ممکن تھا لیکن فاعل نے اس کو نظر انداز کر دیا، تو لامحالہ ذمہ داری عائد ہو جائیگی،

اس سلسلہ میں اقوال فقہار سے استناد مناسب ہے،

۱- امام محمد سے منقول ہے کہ جب دھوبی اپنی دکان میں چراغ لے جائے اور اس سے دھوبی کے کسی فعل کے بغیر بھی کوئی کپڑا جل جائے تو دھوبی پر ذمہ داری عائد ہو گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ

---

[1] سورۃ البقرۃ آخری آیت [2] مجلۃ الاحکام مادہ ۱۷، [3] ایضاً مادہ ۳۱ [4] ایضاً مادہ ۰۳، [5] اس مسئلہ کی مزید توضیح مسئلہ ابعد سے بھی ہو گی،

فعل ایسا ہے جس سے فی الجملہ احتراز ممکن تھا، البتہ ذمہ داری اس وقت عائد نہ ہو گی، جب کہ کوئی ایسی آگ لگے، جس سے بچنا ممکن نہ ہو، اور آگ بجھانے کی قدرت نہ ہو، امام اعظم کے نزدیک ان کے ایسے اتلاف سے جس میں دھوبی کے عمل کا کوئی دخل نہ ہو، دھوبی پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی،[1]

اس مسئلہ میں امام صاحب اور امام محمد کا اختلاف سبب کے اطلاق میں ہے، نہ کہ نفس مسئلہ میں،

۲- کسی جانور پر سوار ہو کر کسی عام راستہ سے گزرنا بالکل مباح ہے، لیکن سواری کرنا پیدل چلنے کی طرح سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے، راستہ پر جو حق حاصل ہے، وہ مسلمانوں کی جماعت کو حاصل ہے، جماعت کے حق سے ہر شخص کامل استفادہ کر سکتا ہے، البتہ سلامتی کی شرط کے ساتھ، راستہ کا حق ایسا حق ہے کہ اس سے کامل فائدہ حاصل کرنا ممکن ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ اگر اس سے دوسرے کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہو تو اس کو دور کیا جائے اس لحاظ سے سلامتی کی قید لگا دی جاتی ہے، تاکہ دونوں کے حقوق مرعی رہیں، پھر یہ شرط ان امور میں لگائی جاتی ہے، جن سے تحرز ممکن ہے، نہ کہ ان امور میں جن سے تحرز ممکن نہیں ہے، واضح ہو کہ کوئی شخص شرعاً جن امور کا پابند کیا گیا ہے، اس میں کام کے کر سکنے کا اعتبار کیا جاتا ہے، اگر آدمی کے لئے ان امور میں سلامتی کی شرط کر دی جائے، جن سے تحرز ممکن نہیں ہے، تو وہ اپنے حق سے پورا استفادہ نہ کر سکے گا، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس ڈر سے کہ کسی ایسے امر کی وجہ سے جس سے تحرز ممکن نہیں ہے کوئی آدمی قتل ہو جائے، کوئی شخص راستہ پر چلنا یا سواری کرنا بند کر دے، لیکن کسی امر کو روکنا ممکن ہو، اور اس میں سلامتی کی شرط لگائی جائے تو اس سے کسی شخص کے لئے اپنے حق سے کامل استفادہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حق سے استفادہ کرنے میں ضروری احتیاط برتنا لازم کیا گیا ہے،[2]

---

[1] فتاویٰ قاضی خان جلد ۴ ص ۲۲۰ [2] مبسوط سرخسی جلد ۲۶ ص ۱۸۹ نیز علامہ الکاسانی کی بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۲۸۰،

۳- سواری کی طرح سلامتی کی شرط کے ساتھ راستہ پر جانوروں کو ہانکنا یا کھینچ کرلے جانا مباح ہی جس طرح سوار کسی ایسے اتلاف کی بنا پر جس سے تحرز ممکن ہو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح جانوروں کو ہانکنے والا اور کھینچ کر لیجانے والا بھی ذمہ دار ہوگا، اس لئے کہ جانور ہر صورت مین آدمی کے ماتحت ہے، اس لئے آدمی پر لازم ہے، کہ وہ جانور کو کام مین لانے مین ہر اس چیز سے بچے جس سے بچنا ممکن ہو،[1]

۴- کوئی شخص کسی چوپایہ پر سوار ہوکر عام راستہ پر جارہا ہے، چوپایہ نے پیچھے سے کسی کو لات ماردی تو اس سے سوار پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے، "الرجل جبار" یعنی اگر چوپایہ چلتے ہوئے لات ماردے، تو وہ قابلِ مواخذہ نہین ہے، کیونکہ اس سے تحرز سوار کی قدرت مین نہین ہے، کیونکہ سوار سامنے کی طرف دیکھتا ہے،

مگر ابن ابی لیلی کے نزدیک سوار ہر صورت مین ذمہ دار ہے، خواہ چوپایہ نے پیچھے سے لات کیون نہ ماری ہو، اُن کی یہ راے اس قیاس پر ہے کہ اگر کوئی شخص راستہ پر چوپایہ کھڑا کردے، اور وہ کسی کو آگے سے یا پیچھے سے لات ماردے، تو اس شخص پر جس نے چوپایہ کھڑا کیا ذمہ داری عائد ہوجائیگی، اسی طرح سواری کی حالت مین بھی سوار پر ذمہ داری عائد ہوجانی چاہئے، لیکن ہماری (علامہ سرخسی کی) راے یہ ہے کہ دونون صورتون مین فرق ہے، سوار کو اس کی اجازت نہین ہے کہ وہ راستہ پر چوپایہ کھڑا کردے، کیونکہ چوپایہ کو راستہ پر کھڑا کرنا راستہ چلنے والون کے لئے باعث ضرر ہے، راستہ جانورون کو کھڑا کرنے کے لئے نہین بنایا گیا ہے، اس کام کے لئے راستہ کو استعمال کرنا تعدی ہے، اور امور سببی مین جس شخص سے تعدی کا صدور ہوتا ہے، وہی ذمہ دار بھی ہوتا ہے، اور ایسی صورتون مین ایسے امور جن سے تحرز کا امکان ہو، اور ایسے امور جن مین امکان نہ ہو، ذمہ داری عائد کرنے مین یکسان ہوتے ہین، یہ اس

بنا پر کہ گو پیر سے لات مارنے مین تحرز کا امکان نہین ہے، لیکن یہ بات تو ممکن ہے کہ چوپایہ کو راستہ پر کھڑا نہ کیا جائے، اس کے برخلاف کسی چوپایہ پر سوار ہوکر راستہ پر سے گزرنا مباح ہے، کیونکہ راستہ اسی غرض سے بنایا جاتا ہے، اور اس سے کسی دوسرے شخص کو کوئی مضرت بھی نہین ہے، سوار ہوکر راستہ پر سے گذرنے کی احتیاج پیدا ہوا ہی کرتی ہے، بعض مرتبہ انسان کو چلنے پر قدرت نہین ہوتی، اور اسے لامحالہ سواری پر آنا جانا پڑتا ہے، اور چوپایہ پر سوار ہوکر راستہ سے گذرنا کوئی جنایت نہین ہے، تو ہم نے (علامہ سرخسی نے) قرار دیا ہے کہ جس امر کے روکنے کی استطاعت نہ ہو اس کی وجہ سے کسی پر کوئی ذمہ داری قائم نہین ہوتی، اس لئے راستہ سے پیدل گذرنے والے پر بھی اس امر کی کوئی ذمہ داری نہین عائد ہوتی جس کو روکنا اس کی قدرت مین نہ ہو،[1]

۵- ایک شخص نے اپنے غیر مملوکہ مقام پر نہر کھودی، اس نہر سے پانی بہ نکلا، اس کی وجہ سے کوئی دوسری زمین یا قریہ غرق ہوگیا، اس صورت مین نہر کھودنے والے پر ذمہ داری عاید ہوجائے گی، کیونکہ اس نے غیر کی مملوکہ زمین مین پانی بہانیکے اسباب پیدا کردیئے اور یہان ذمہ داری عائد ہونے کے دو سبب پیدا ہوگئے، ایک تو یہ کہ نہر کھودنے والے سے تعدی کا صدور ہوا، دوسرے یہ کہ نہر کھودنا تو مباح تھا، لیکن اباحتِ شرطِ سلامتی کے ساتھ مقید تھی، اور اس نوعیت کے اتلاف سے تحرز ممکن تھا، اس لئے لامحالہ ذمہ داری عائد ہوجائے گی، اس کی مثال اس طرح ہے، جیسے کہ راستہ پر پیدل چلنا، یا کسی چوپایہ پر سوار ہوکر نکلنا (یہ بھی سلامتی کی شرط کے ساتھ مباح ہین) اور اگر نہر اپنی مملوکہ زمین پر کھودی، اور اس سے کسی کو نقصان پہنچا، تو پھر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، کیونکہ یہ امر مُباح مطلق ہے،[2]

۶- ایک شخص ننگی تلوار پکڑے ہوئے، یا پتھر اینٹ یا لکڑی اٹھائے ہوئے راستہ سے چلا جارہا تھا،

تلوار، پتھر، اینٹ یا لکڑی اس کے ہاتھ سے گر پڑی جس سے ایک شخص مار گیا، تو یہ قتل خطا اور براہ راست خاطی کے فعل کا نتیجہ قرار پائے گا، (قتل علی سبیل المباشرۃ) اور اگر یہی شخص تلوار باندھے ہوئے جا رہا ہو تلوار گر پڑے، اور نتیجۃً ایک شخص ہلاک ہو جائے، یا راستہ چلنے والے کا کوئی کپڑا اس کی چادر طیلسان یا عمامہ کسی دوسرے شخص پر گر جائے، اور اس کی وجہ سے اتلاف واقع ہو، تو کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی، کیونکہ لباس پہننا ضروری ہے، اور ان کے گرنے سے تحرز لوگون کی قدرت مین نہین ہے، اسلئے ذمہ داری عائد کرنا متعذر ہے، لیکن اگر کسی ایسے کپڑے کی وجہ سے ہلاکت ہوتی ہے، جو عادۃً پہنا نہین جاتا ہے تو پھر اس صورت مین ذمہ داری عائد ہو جائے گی،[1]

۷- علامہ کاشانی نے راستہ پر چلنے وغیرہ کی نسبت اصول کا حصر کرتے ہوئے یہ توضیح کی ہے، اصول یہ ہے کہ عام راستہ پر چلنے یا جانورون کو ہانکنے یا کھینچ کر لے جانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کام کا انجام سلامتی پر ہو، اور اگر انجام سلامتی پر نہ ہو، تو پھر اس کام کی اجازت نہ ہو گی، اسی طرح راستہ پر چلنے والے یا جانورون کے ہانکنے والے یا کھینچ کر لے جانے والے سے جو امر صادر ہو، وہ قابل ذمہ داری ہو گا، مگر یہ کہ وہ امر ایسا ہو، جس سے تحرز ممکن نہ ہو، ورنہ عامۃ الناس کا راستہ مین چلنا بند ہو جائے گا، اور یہ ہو نہین سکتا، اگر راستہ چلنے یا جانورون کو ہانک کر لے جانے یا کھینچ کر لے جانے مین کوئی جانور کسی شخص کو روندے یا کاٹ کھائے یا ٹکر دے، یا سامنے کے پیر سے مارے تو یہ امور ایسے ہین کہ اگر جانور پر نظر رکھی جائے، تو ان سے احتراز ممکن ہے، لیکن اگر جانور پچھلے پیر سے لات مارے تو اس سے تحرز ناممکن ہے، اسی طرح جانور کے پیشاب لید یا لعاب سے بھی احتراز ممکن نہین ہے، پس اس کا اعتبار نہین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے، کہ "الرجل جبار" اس حدیث مین رجل سے مراد جانور کا لات مارنا ہے، اسی طرح اگر کسی آدمی کے چلنے مین گرد و غبار اڑے، اور اس کی وجہ سے

[1] بدائع الصنائع ساتوین جلد ص ۲۷۲،

کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز خراب ہو جائے، تو گرد و غبار اڑانے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی، اسی طرح اگر جانور کے چلنے سے گرد و غبار یا چھوٹی کنکریان اڑین تو سوار پر کوئی ذمہ داری عائد نہین ہو گی، البتہ بڑے پتھرون سے ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے تحرز ممکن ہے، اگر سوار نے جانور کی لگام کھینچی، اور اس نے لات ماردی، یا دم سے ضرب لگائی، تو اس کا کوئی اعتبار نہین، کیونکہ یہ عام بات ہے،

کسی شخص نے راستہ مین جانور کھڑا کر دیا، اور اس نے کسی کو مار دیا تو دیکھا جائے گا، کہ یہ واقعہ کہان پیش آیا، اگر غیر مملوکہ مقام ہے، جیسے کہ عام راستہ تو ہر صورت مین ذمہ داری عائد ہو گی، خواہ جانور نے اپنے اگلے پیرون سے روندا ہو، یا پچھلے پیرون سے یا دانتون سے کاٹا ہو، یا ٹکر دی ہو یا اگلے پیر سے لات ماری ہو، یا پچھلے پیر سے، یا دم سے ضرب لگائی ہو، یا کوئی شے جانور کی لید پیشاب یا لعاب سے خراب ہوئی ہو، ہر طرح ذمہ داری عائد ہو گی، خواہ آدمی جانور پر سواری کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو دونون صورتون مین ذمہ داری عائد ہو گی، واضح ہو کہ راستہ مین صرف جانورون وغیرہ کے گذرنے اور چلنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ اور کسی چیز کی اجازت نہین، جانورون کو راستہ پر کھڑا کرنے سے لوگون سے ضرر ہوتا ہے، اور کھڑا کرنا مرور کے لئے امر ضروری بھی نہین ہے، غرض جانورون کو راستہ پر کھڑا کرنا ایسی تعدی ہے، جس کا صدور بلا ضرورت ہوا ہے، اس لئے اس تعدی سے جو امر وقوع مین آئے گا، اس سے ذمہ داری قائم ہو جائے گی، چاہے اس سے تحرز ممکن ہو یا ممکن نہ ہو، اگر آدمی جانور پر سوار ہو گا، تو جو جنایت واقع ہو گی، وہ سوار کے فعل کا براہ راست نتیجہ مباشرۃ قرار دی جائیگی، اور اگر جانور پر سوار نہ ہو، تو قرار دیا جائیگا، کہ جنایت بالواسطہ (تسبب کے ذریعہ) عمل مین آئی،[1]

[1] بدائع الصنائع ساتوین جلد ص ۲۷۲،

علامہ مرغینانی نے جانور کے لید ڈالنے اور پیشاب کرنے کے سلسلہ مین مزید صراحت کی ہے کہ اگر راستہ چلتے ہوئے جانور لید ڈالے یا پیشاب کرے، اور اس کی وجہ سے کوئی انسان ہلاک ہو جائے تو کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، کیونکہ یہ راستہ چلنے کے ضروریات مین سے ہے، جس سے احتراز ممکن نہین ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص جانور کو لید یا پیشاب کرنے کے لئے ٹھہرائے تو اس صورت مین بھی کوئی ذمہ داری نہین ہوگی، کیونکہ بعض جانور کھڑا کئے بغیر یہ ضروریات پوری نہین کرتے، لیکن ان کے علاوہ اگر کسی دوسری ضرورت سے جانور کو کھڑا کیا جائے، اور اس کی لید و پیشاب کی وجہ سے کوئی انسان ہلاک ہو جائے تو اس صورت مین ذمہ داری عائد ہوگی، کیونکہ اس ٹھہرانے مین تعدی کا صدور ہوا ہے، اس قسم کا ٹھہرانا راستہ چلنے کے ضروریات مین شامل نہین ہے،[1]

متذکرۂ صدر صورتون کے متعلق علامہ مرغینانی نے اصول کا حصر اس طرح کیا ہے:-

اصول یہ ہے کہ مسلمانون کے راستہ پر سے مرور سلامتی کی قید کے ساتھ مباح ہے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ راستہ سے گذرنے والا کچھ تو اپنے حق سے استفادہ کرتا ہے، اور کچھ دوسرے کے حق سے، کیونکہ راستہ سے استفادہ تمام لوگون کا حق مشترک ہے، گویا راستہ سے گذرنے والے کا حق اباحتِ مطلق کا طالب ہے، اور دوسرے شخص کے حق کے اعتبار سے راستہ چلنا، ممانعتِ مطلق کا طالب ہے، اس لئے یہ امر ضروری ہے کہ راستہ چلنے کی اباحت شرط سلامتی کے ساتھ مقید ہو، اس طرح جانبین کے حقوق مین اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، واضح ہو کہ شرط سلامتی کی قید ان امور مین لگائی جاتی ہے، جن سے احتراز ممکن ہو، ایسے امور مین نہین لگائی جاتی، جن سے احتراز ممکن نہ ہو، اس لئے کہ اگر ایسے امور مین بھی شرط سلامتی کی قید لگائی جائے، جن سے احتراز ممکن نہ ہو تو حق مین تصرف اور اس سے استفادہ رک جائے گا، حالانکہ اس کو جاری رہنا چاہئے، کیونکہ راستہ چلنے مین سواری کے جانور کے کاٹنے اور روندنے

[1] الہدایہ آخری دو جلدین ص ۵۵۹

سے بچنا ممکن ہے کیونکہ یہ امور سوار کی نظر کے سامنے واقع ہوتے ہین، اور سوار کی ضروریات مین شامل نہین ہین، اس لئے سواری کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید کیا گیا، اس کے برعکس اگر سواری کا جانور پیچھے کو لات مارے، یا دم سے مارے، تو چونکہ سوار کے پیچھے سے یہ واقعہ وقوع مین آتا ہے، اور اس سے بحالتِ سواری احتراز ممکن نہین ہے، اس لئے یہ امور شرط سلامتی مین شامل نہین ہین،[1]

تصرف یا استیفاء حق کی توضیح مین ہدایہ کے شارح صاحبِ کفایہ نے بتایا ہے کہ اگر ان امور مین شرط سلامتی کی قید لگائی جائے، جن سے تحرز ممکن نہین ہے، تو حق سے کامل استفادہ مین تعذر پیدا ہو جائے گا، کیونکہ جن امور سے احتراز نہین ہے، ان مین مبتلا ہو جانے کے ڈر سے لوگ سواری کرنے سے ہی رک جائین گے، اور جن امور سے بچنا ممکن ہے، اگر ان مین شرط سلامتی کی قید لگائی جائے تو اس سے حق کے استفادہ مین کوئی رکاوٹ نہین ہوتی،[2]

جو مثالین اوپر بیان کی گئی ہین ان کے سلسلہ مین ذمہ داری کے تعین کے بعض فروع مین فقہائے اختلاف کیا ہے، مثلاً یہ کہ امام شافعی نے فقہائے احناف کے برعکس یہ قرار دیا ہے، کہ اگر سواری یا کھینچ کر لے جانے کی صورت مین چوپایہ پچھلے پیر سے لات مارے تو اس صورت مین بھی ذمہ داری ساقط نہین ہو جاتی[3]

لیکن نفس یہ اصول کہ ذمہ داری عائد کرنے مین امکان تحرز پیش نظر رہے گا، کسی طرح مختلف فیہ نہین ہے، چنانچہ امام مالک کا یہ قول المدونہ مین نقل کیا گیا ہے کہ

"کسی شخص نے کوئی شے مستعار لی، اور اس کو توڑ دیا، یا اس کے ٹکڑے کر دیئے، یا یہ دعویٰ کیا کہ وہ شے چوری گئی یا جل گئی، تو وہ شخص ذمہ دار رہے گا، امام کا قول ہے کہ اگر اس شے کو من جانب اللہ کوئی نقصان پہنچ جائے، اور اس کی شہادت موجود ہو، تو کوئی ذمہ داری

[1] الہدایہ آخری دو جلدین ص ۵۵۹ [2] تعلیق علی الہدایہ چوتھی جلد ص ۵۵۹ [3] بدایۃ المجتہد ابن رشد جلد ۲ ص ۳۴۹، مطبوعہ ۱۳۳۲ھ نیز الہدایہ آخری جلدین ص ۵۹۹،

نہین عائد ہوگی، لیکن اگر شے خود ضائع کی ہے، یا کوتاہی عمل مین لائی گئی ہو تو ذمہ داری عائد ہوگی[۱]

خلاصۂ بیان — ان تمام مثالون سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہا نے احتیاط کا معیار "امکان" قرار دیا ہے، ان کے اقوال کی بنا پر اگر کسی امر سے محترز رہنے کا امکان تھا، لیکن اس کو ترک کر دیا گیا، تو ذمہ داری لامحالہ عائد ہوجائے گی،

قانونِ انگلستان کی رو سے احتیاط کا معیار یہ ہے کہ ایسی احتیاط عمل مین لائی جائے، کہ جو کوئی معقول آدمی کام مین لاتا ہو، جیسا کہ اس سے قبل واضح کیا جا چکا ہے، مگر اس مین کوئی قطعیت نہین ہے کہ خود معقول آدمی کس آدمی کو قرار دیا جائے گا، اور اس کے کونسے افعال معقول قرار دیئے جائین گے، اس کا طے کرنا مشکل ہے، بخلاف اس کے کسی فعل کا امکان یا عدم امکان ایسا ہے کہ جس کا اندازہ ہر وقت معقول طور سے ہوسکتا ہے،

بہر حال اس باب کی ابتدا مین یہ دیکھا گیا تھا کہ قانونِ انگلستان کی رو سے معیار احتیاط کے سلسلہ مین یہ امور مقرر ہین، کہ

۱- کسی کام سے محض اس لئے باز رہنا کہ اس مین خطرہ کا احتمال ہے، ضروری نہین ہے،

۲- احتیاط کا معیار بالعموم ہر مقدمہ کے واقعات پر موقوف ہے،

۳- انسانی قدرت کا جو انتہائی درجہ ہوتا ہے، اس کے مطابق احتیاط عمل مین لانا ضروری نہین ہے،

۴- واقعات وحالات کے اعتبار سے کسی معاملہ مین کسی معقول (محتاط) آدمی سے جو احتیاط عمل مین آسکتی ہو، اس پر عمل کیا جائے،

ان امور کے من جملہ امر نمبر ۲ ضابطہ کا مسئلہ ہے، اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین، فقہائے اسلام

---

[۱] المدونہ جلد ۴ ص ۳۶،

کے یہان بھی اس اصول کو ترک نہین کیا جاسکتا،

امور نمبر ایک اور تین مین قانونِ انگلستان اور قانونِ اسلام مین کوئی تباین نہین ہے،

البتہ امر نمبر ۴ مین گو دونون قوانین کا نتیجہ اکثر صورتون مین ایک ہو جانے کا پورا قرینہ ہے لیکن ایک حد تک اختلاف موجود ہے،

تیسری فصل

عدم مہارت

انگلستانی قانون کا مسئلہ — کسی کام مین مہارت کی کمی غفلت کے مترادف ہے،[۱]

جب کسی کام کی انجام دہی مین خاص ہنر کی ضرورت ہو، تو جو شخص اس کام کو انجام دینا چاہے اس کو اس قدر مہارت ہونی چاہئے کہ جو اس کام کے انجام دینے والے معمولی فہم کے اشخاص مین ہوتی ہے، اگر ایسی مہارت نہ ہونے کی وجہ سے مضرت پہنچائی جائے، تو غفلت کی بنا پر ہرجہ کی ذمہ داری عائد ہوسکے گی،[۲]

لیکن اس سلسلہ مین یہ بات بھی ذہن مین رکھنی چاہئے کہ اگر معقول وجوہ کی بنا پر کسی شخص کو اپنی مہارت پر اعتماد ہو تو وہ علیحدہ بات ہے،[۳]

یہ واضح رہے کہ نفس عدم مہارت پر غفلت کا اطلاق نہین ہوتا ہے، بلکہ مہارت کے بغیر کسی کام کو انجام دینے کا تہیہ کرنا غفلت ہوگی،[۴]

مثال: قانون کی رو سے کوئی شخص اس بات کا ذمہ دار نہین ہے کہ وہ بہت ہی اچھا کوچوان ہو،

---

[۱] سالمنڈ - لا آف ٹارٹس ص ۲۶ مطبوعہ ۱۹۲۶ء [۲] لاز آف انگلینڈ (Laws of England) جلد ۲۳ ص ۲۶۷ [۳] دیکھو سالمنڈ لا آف ٹارٹس ص ۲۶،

لیکن ہر شخص اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ گھوڑا اس وقت تک ہانکے، جب تک کہ اس کام میں ماہر نہ ہو[1]۔

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جسمانی عارضے، قدرتی نقص، یا اور کسی وجہ سے کسی کام کے انجام دینے کے ناقابل ہو، اور اس کو اس کی مرضی کے بغیر کسی ایسے کام پر مامور کر دیا گیا ہو، جس میں اس نقص سے سلامتی ضروری ہو، تو اس صورت میں کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، البتہ اس بات کی جانچ ضروری ہوگی، کہ اس طرح مامور شدہ شخص نے کام کو بخوبی انجام دینے کے لئے پوری سعی کی یا نہیں[2]،

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ

۱۔ اگر کسی کام کی انجام دہی میں مہارت ضروری ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے،

۲۔ ترک مہارت، غفلت ہے،

۳۔ مہارت اس قدر ہونی چاہیئے کہ جو اس کام کے انجام دینے والے معمولی فہم کے ادراک میں ہوتی ہے،

۴۔ کوئی شخص اپنی مرضی کے خلاف کسی ایسے کام کی انجام دہی پر مامور کر دیا جائے کہ جس میں مہارت ضروری ہو تو ذمہ داری عائد نہ ہوگی،

اسلامی فقہ نظر یہ قانون انگلستان کا تذکرہ ہے، اب اسلامی قانون کے طے کردہ امور کی تلاش کی جاتی ہے۔

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی طبیب خطا کر جائے (غفلت برتے) تو اس پر دیت لازم ہو جائیگی، کیونکہ طبیب سے فعل کا ارتکاب بوجہ خطاء عمل میں آیا ہے، امام مالک سے ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ

[1] ماخوذ از قانون ڈارش ص ۲۶ [2] ایضاً ص ۲۷،

ایسے مرتکب پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ اہل طب سے ہو، فقہاء میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر مرتکب فعل اہل طب سے نہ ہو، تو پھر اس پر ہر جہ کی ذمہ داری عائد ہوگی، کیونکہ مرتکب سے تعدی کا صدور ہوتا ہے[1]،

فقہاء نے اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث پر اجماع ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص طبیب کا کام انجام دے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ اس سے پہلے اس شخص نے مطب کیا تھا، تو وہ ذمہ دار ہے[2]،

قبل اس کے قانون اسلامی اور قانون انگلستان کے نقطۂ اتفاق یا اختلاف کی صراحت کیجائے فقہائے اسلامی کی آراء کی مزید وضاحت مناسب ہے،

متذکرۂ بالا حدیث کے علاوہ اس موضوع پر فقہاء و محدثین کے اور بھی اقوال ہیں، مثلاً:۔

۱۔ امام زہری سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک چوپایہ کی نعل بندی کی، اور نقصان پہنچایا، زہری نے جواب دیا، کہ اگر وہ شخص اس عمل کو جانتا تھا، تو ذمہ دار نہ ہوگا، اور اگر نہیں جانتا تھا، تو ذمہ دار ہوگا،

۲۔ امام زہری سے ایک ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو نعل بندی کرتا ہے، امام نے جواب دیا کہ جس مقام پر نعل باندھنی چاہیئے وہاں نعل باندھی، اور چوپایہ ہلاک ہو گیا، تو نعل باندھنے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اور اگر جس مقام پر نعل باندھنی چاہیئے وہاں نہیں باندھی ہے جس کی بنا پر چوپایہ ہلاک ہو گیا تو نعل باندھنے والے پر ذمہ داری عائد ہوگی،

۳۔ امام شعبی کا قول ہے کہ بیطار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے،

۴۔ قاضی شریح نے بیان کیا ہے کہ معالج پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے،

[1] بدایۃ المجتہد ابن رشد، دوسری جلد ص ۳۴۹ [2] کتاب الدیات [3] یہ سب اقوال کتاب الدیۃ سے ماخوذ ہیں

۵۔ امام شعبی کا قول ہے کہ پچھنا لگانے والے پر، بیطار پر اور معالج پر کوئی ذمہ دار

نہین ہے،

۶۔ عطاء سے دریافت کیا گیا کہ کوئی طبیب کسی شخص کا جسم چیرتا ہے، اور اس کی وجہ سے

واقع ہو جاتی ہے، تو کہا کہ طبیب پر کوئی ذمہ داری نہین ہے،[ف۱]

محدثین تابعین کے ان اقوال کے علاوہ خود فقہا نے بھی اس مسئلہ کی کافی توضیح کی ہے، خو

امام شافعی کا قول ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے یہ خواہش کی کہ وہ اس کو پچھنا لگائے، یا

کے بچہ کا ختنہ کرے، یا اس کے چوپایہ کا علاج کرے، جس شخص سے یہ خواہش کی گئی تھی، اُس

عمل کیا لیکن اس کے عمل سے ہلاکت ہو گئی، تو اگر اس عامل کا عمل اس فن کے جاننے والون کے نز

مقبول یہ مین خوبی پیدا کرنے والا تھا، تو پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہین ہے، اور اگر ایسا عمل کیا گ

خوبی جاننے والا، اس طرح عمل نہ کرتا، اور اس سے عامل واقف بھی تھا، تو پھر اس صورت مین

پر ذمہ داری قائم ہو جائے گی،[ف۲]

اگر کسی بیطار کے نشتر لگانے سے کوئی چوپایہ مرجائے، تو بیطار پر کوئی ذمہ داری عائد

لیکن کسی دھوبی کے کپڑا اچھانٹے سے کوئی کپڑا اپھٹ جائے، تو دھوبی پر ذمہ داری عائد ہو جا

ان دونون امور مین فرق کی توضیح علامہ سرخسی نے کی ہے، جس سے مسئلۂ زیر بحث پر بھی روشنی

ہے، علامہ سرخسی کے بیان کی صراحت نامناسب نہ ہوگی،

"جب کسی شخص کی خواہش سے کسی پچھنا لگانے والے نے اجرت لے کر اس شخص کو پچھنا لگایا، یا

بیطار نے اجرت پر نشتر دیا، یا ختنہ کرنے والے نے اجرت پر ختنہ کیا، یا زخم چیرا گیا، اور اس کی وجہ

سے موت واقع ہو گئی، تو ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر دھوبی نے

ف۱ یہ سب اقوال کتاب دیات سے ماخوذ ہین، ص ۰۰ ، ف۲ کتاب الام جلد ۶ ص ۱۶۶ و ۱۷۰، ۱۷۱،

کپڑا اچھانٹا، اور اس کی وجہ سے کپڑا اپھٹ گیا، تو ذمہ داری عائد ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ

کہ دھوبی کے کام سے جس امر کا استحقاق دوسرے شخص کو حاصل ہے، وہ ایک ایسا عمل ہے کہ جو

عیب سے پاک ہو، اور یہ کام ایسا ہے کہ آدمی کے مقدور مین ہے، اس کا التزام معاہدہ کے ذریعہ

درست ہے، اس کے مقابل جراحت وغیرہ مین دوسرے شخص کو جس عمل کا استحقاق حاصل ہے،

وہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کو پورا کرنے مین کوشش صرف کرنی ہے، اور یہ عمل ایسا نہین ہے

کہ جو دوسرے مین سرایت نہ کر جائے، یہ کام ایسا ہے کہ جو آدمی کے مقدور مین نہین ہے، عمل

جراحت روح کے نکل جانے کے لئے گویا دروازہ کھول دیتا ہے، جراحت کے بعد صحت حاصل

ہونا طبیعت کی اس قوت پر منحصر ہے جو جراحت کے اثر کو زائل کرنے کے لئے موجود ہو، اور

یہ آدمی کی قدرت سے باہر ہے، بنا بر آن اس کا التزام معاہدہ کے ذریعہ درست نہین ہے، جو

شخص اس قسم کے امور کو انجام دینا چاہے، اس کی وسعت مین صرف یہ بات حاصل ہے کہ اپنے

عمل کو انجام پر پہنچانے کی کوشش کرے، یہ اوس نے کر لیا، اس لئے ذمہ داری سے بری ہو البتہ

اگر اپنی حد سے تجاوز کر جائے یا بلا اظہار رضامندی کوئی عمل کر جائے، تو اس صورت مین ذمہ

داری عائد ہو جائے گی،[ف۱]

اس سلسلہ مین علامہ سرخسی نے مزید وضاحت بھی کی ہے، اس کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، بیان

کیا ہے کہ

"دھوبی اور جراح دونون کے عملون مین جو فرق ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ عمل جراحت

کا سریان (خروج روح) جراحت کے ساتھ ہی وقوع مین نہین آتا، بلکہ اس کے بعد طبیعت

کے ضعف سے وقوع مین آتا ہے جب جراحت کے اثر کے ازالہ کی تاب و توان باقی نہ رہی

ف۱ المبسوط جلد ۱، صفحہ ۱۱،

اور تکالیف جراحت مجروح پر غلبہ پا جائین، اور یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب کہ عمل انجام کو پہنچ جاتا ہے، اور جراح کی ذمہ داری باقی نہین رہتی ہے، بخلاف اس کے دھوبی کے کام مین کپڑے کا پھٹنا اس وقت وقوع مین آتا ہے، جب دھوبی اپنا کام جاری رکھتا ہے، اپنی ذمہ داری سے بری نہین ہو جاتا، اس لحاظ سے دھوبی اس اتلاف کا ذمہ دار قرار پاتا ہے جو کہ اس کے عمل سے وقوع مین آئے، واضح ہو کہ دھوبی اپنے کام مین اس لئے ذمہ دار ہے کہ اس کا کام معاہدہ کے بدل کے مقابل ہے[51]"

اسلامی فقہا کے نقطۂ نظر کو علامہ مرغینانی نے اس طرح متعین کیا ہے کہ :

" قدوری نے کہا ہے کہ اگر کسی فصاد نے فصد کھولی یا بیطار نے نشتر دیا، اور مقررہ مقام سے تجاوز نہین کیا تو اگر اس عمل سے ہلاکت واقع ہو جائے، تو وہ ذمہ دار نہین ہے جامع الصغیر مین صراحت کی ہے کہ ایک بیطار نے چوپایہ کو ایک دانق کے معاوضہ مین نشتر دیا، چوپایہ ہلاک ہو گیا، یا کسی پچھنے لگانے والے نے کسی غلام کو اس کے آقا کی اجازت سے پچھنے لگائے، اور غلام فوت ہو گیا، تو ان صورتون مین کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی، اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ ممکن نہین ہے کہ اس عمل کے اثر سے سرایت سے کوئی یقینی بچاؤ ہو سکے، اس عمل کی برداشت کی طاقت طبیعتون کی قوت اور ان کے ضعف پر منحصر ہے، اور یہ ممکن نہین ہے، کہ محض ہلاکت کے خوف سے اس نوعیت کے عمل مصلح کی انجام دہی کی ممانعت کر دی جائے، کپڑا اچھا پھٹنا اس کے مشابہ نہین ہے، کیونکہ کپڑے کی مضبوطی اور کمزوری کا حال انسان اپنی دانست سے معلوم کر سکتا ہے، اس لئے ان امور مین اس قید کی ضرورت داعی ہوئی کہ کام کی انجام دہی کے سلسلہ مین کوئی نقصان رسانی وقوع مین نہ آئے[52]"

---

[51] المبسوط جلد ۰ ، ص ۱۳ [52] الہدایہ آخری دو جلدین ص ۲۹۴ ،

علامہ مرغینانی کے اس بیان کے سلسلہ مین شارح ہدایہ صاحب کفایہ نے وضاحت کی ہے کہ قدوری اور جامع الصغیر دونون کے قول سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ ذمہ داری کا وجوب نہ ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جراحی مین مقام مقررہ سے تجاوز نہ ہو، اور اجازت بھی حاصل ہو، اگر ان دونون شرطون مین سے ایک یا دونون پوری نہ ہون، تو ذمہ داری عائد ہو جائے گی[53]

اس بارے مین مزید تین مثالین بیان کرنا بے محل نہ ہو گا،

اگر کحال نے ایک آدمی کی آنکھ مین دوا ڈالی، اور اس کی وجہ سے بصارت چلی گئی، تو کحال پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی لیکن اگر اس نے غلطی کی ہو تو اس وقت ذمہ داری عائد ہو جائے گی[54]

۲- ایک حجام (Surgeon) نے ایک آدمی سے کہا کہ تمھاری آنکھ مین گوشت اتر آیا ہے اگر اس کا ازالہ نہ کیا گیا، تو بصارت جاتی رہے گی، اور مین اس کا ازالہ کر دون گا، چنانچہ اس حجام نے مریض کی آنکھ سے گوشت کاٹ دیا، مگر حجام اس کام مین ماہر نہین تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مریض اندھا ہو گیا، اس صورت مین حجام کو ذمہ دار قرار دیا گیا[55]

۳- نجم الائمہ الحلیمی سے دریافت کیا گیا کہ واقعہ یہ پیش آیا ہے کہ ایک لڑکی بالاخانہ سے نیچے گر پڑی، اس صدمہ سے اس کا سر کھل گیا، جراحون کی کثیر تعداد نے یہ کہا کہ اگر اس لڑکی کے سر مین شگاف دیا گیا تو موت واقع ہو جائے گی، لیکن ایک جراح نے کہا کہ مین شگاف دیکر اس کو تندرست کر سکتا ہون، اور اس نے عمل جراحی کیا، لیکن ایک دو دن کے بعد لڑکی کا انتقال ہو گیا، اس صورت مین جراح ذمہ دار ہو گا یا نہین، نجم الائمہ نے جواب دیا کہ اگر اجازت سے شگاف دیا ہے، اور عادت کے مطابق دیا ہے، اور اس مین اس کے اصول و طریقہ کے خلاف کوئی فاش غلطی عمل مین نہین آئی ہے، تو ذمہ دار نہ ہو گا،

---

[53] الہدایہ ص ۲۹۴، تعلیق نمبر ۳ [54] و [55] معین الاحکام علاؤالدین ابوالحسن علی الطرابلسی ص ۲۳۸، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ ،

نجم الائمہ سے لوگون نے کہا کہ اجازت اس لئے دی گئی کہ معالج نے کہا تھا، کہ وہ چنگا کر دے گا، نجم الائمہ نے کہا اس کا کوئی اعتبار نہین ہے، نفس اجازت کافی ہے، پھر لوگون نے کہا کہ اگر جراح یہ کہے کہ اگر موت واقع ہوجائے گی، تو مین ضامن ہون، تو اس صورت مین کیا قرار دیا جائے گا، نجم الائمہ نے کہا اس صورت مین یہ ذمہ داری عائد نہ ہوگی،[۱]

۴۔ مجموع النوازل کے باب جنایات مین ہے کہ ایک شخص نے ایک کحال سے کہا کہ وہ اس کی آنکھ کا علاج کر دے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بصارت زائل نہ ہونے پائے، مگر معالجہ کے بعد بصارت زائل ہوگئی، تو اس صورت مین کحال ذمہ دار نہین ہے،[۲]

۵۔ فتاوی ظہیر الدین مین ہے کہ فصاد، بزاغ اور حجام پر اُن کے عمل کے سریان کی ذمہ داری عائد نہین ہوتی، بشرطیکہ انہون نے اجازت کی مقدار مقررہ سے تجاوز نہ کیا ہو، اگر ان لوگون پر یہ شرط بھی لگائی جائے کہ وہ اس طرح عمل کرین جو سلامتی کا موجب ہو، اور سریان عمل نہ ہونے پائے تو یہ شرط اس لئے درست نہ ہوگی کہ یہ اُن کے مقدور سے باہر ہے،[۳]

خلاصۂ بیانات

اسلامی فقہا کے ان بیانات سے واضح ہوا کہ جس طرح انگلستان کے قانون مین قرار دیا گیا ہے اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے بھی قرار دیا گیا ہے کہ

۱۔ کسی کام کی انجام دہی مین مہارت ضروری ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے،

۲۔ ترک مہارت غفلت ہے،

انگریزی قانون مین قرار دیا گیا ہے کہ مہارت اس قدر ہونی چاہئے کہ جو اس کام کے انجام دینے والے معمولی فہم کے افراد مین ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مہارت اس قدر ہو کہ فن کی کوئی فاش غلطی وقوع مین نہ آئے، اور وہ عمل اُن کی قدرت مین ہو،

[۱] و [۲] معین الاحکام ص ۲۰۸، [۳] لسان الاحکام ابو الولید ابراہیم، بر حاشیہ معین الاحکام ص ۸۶،

فقہی کتابون سے جو مثالین اوپر بیان کی گئی ہین، اُن سے صاف ظاہر ہے کہ پیشہ ورون کے لئے یہ بات لازمی ہے، کہ وہ اپنے کام کو اس طور سے انجام دین کہ ان پر ترک کا الزام نہ لگایا جاسکے، مگر ان سے اسی عمل کی توقع کی جاتی ہے، جو اُن کے مقدور مین ہو،

اجازت کا لزوم

اسلامی فقہاء کے جو بیانات اوپر نقل کئے گئے ہین ان سے ظاہر ہے کہ بعض صورتون مین اجازت ضروری ہے، انگریزی قانون مین بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، چنانچہ تھامس بی ون نے بیان کیا ہے کہ

"بہرحال یہ واضح ہے کہ ایسا معالجہ جس مین خطرہ کا احتمال ہو کسی اجازت یافتہ یا غیر اجازت یافتہ معالج سے اس وقت تک اختیار نہین کیا جا سکتا جب تک کہ مریض کو اسکی اطلاع نہ دے دی جائے، اور اسکی رضامندی ظاہر نہ ہو جائے،"[۱]

(باقی)

[۱] تگ لی جنس ان لا، دوسری جلد ص ۱۱۶،

وحشی یزدی

از

جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، ڈی، لٹ لکھنؤ یونیورسٹی

اس کی زندگی وحشی کا شمار دسوین صدی ہجری کے مشہور ترین شعرا مین ہوتا ہے، خصوصاً ایران کے اُن شعرا مین جو ہندوستان نہین آئے تھے وحشی بلند ترین حیثیت کا حامل تھا، تقی الدین کاشی اپنے استاد اور وحشی کے سب سے بڑے حریف محتشم کاشانی کو اپنے عہد کا سب سے ممتاز شاعر قرار دیتے ہین، برخلاف اس کے، تقی اوحدی عرفات[1] مین وحشی کو محتشم سے بدرجہا افضل بتاتے ہین :-

وقتے کہ مولانا محتشم طنطنۂ شاعریش قاف تا قاف گرفتہ بود، وحشی در برابر آمد و طرز نوی در عرصۂ وجود آمد و ہم در زمانِ حیات او طرز او منسوخ گردانید،

تقی اوحدی نے وحشی ہی کے طرز کی پیروی کی ہے[2] خصوصاً غزل مین وہ صرف اُسی کا مقلد تھا، اگرچہ تقی کاشی[3] درایت مین بے مثل تھے مگر اپنے استاد کو افضل ٹھہرانے مین وہ غیر جانبدار نہ رہ سکے، مولانا شبلی مرحوم، تقی او[4]

---

[1] درق ۹۰، [2] دیکھو مآثر رحیمی جلد ۳ الف ص ۴۴۳، حاشیہ، [3] تقی الدین کاشی کہ از درست قولان و راست سخنان روزگار است و اہل کاشان در باب او تقدمی داشتند، ص ۱۸۱، [4] رضا زادہ شفق نے بھی محتشم کو اس عہد کا سب سے ممتاز شاعر بتایا ہے گو خلاصۃ الاشعار اُن کے پیش نظر ہے (وفات نہین) ممکن ہے یہ خیال وہین سے لیا ہو (تاریخ ادبیات ایران ص ۱۸۱)، [5] شعر العجم جلد پنجم حالات وحشی،

کے مذکورۂ بالا قول کو اس لحاظ سے غلط قرار دیتے ہین کہ ان دونون شاعرون مین سے کوئی بھی صاحب طرز نہ تھا[5]

اس سلسلہ مین صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ یہ وحشی خواہ صاحب طرز رہا ہو یا نہ، مگر اوپر کے بیان سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ اسکی شہرت محتشم سے زیادہ تھی اور دسوین صدی ہجری ہی مین وحشی کو محتشم سے افضل جانتے تھے،

سر دست وحشی اور محتشم کا موازنہ مقصود نہین، صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اول الذکر اپنے دور کا ممتاز ترین شاعر تھا، اور متاخرین تذکرہ نویسون کے نزدیک بھی اُس کی وہی حیثیت قائم رہی، ایک آدھ جگہ اس کو رند، اوباش اور رند مشرب قرار دیتے ہوئے اس کی شاعری مین یہ نقص بتایا گیا ہے کہ وہ حد اعتدال سے تجاوز کر گئی تھی، لیکن اس قیاس کی تائید نہ تو معاصرین کے بیان ہی سے ہوتی ہے، اور نہ اُس کا کلام ہی اس بات کی گواہی دیتا ہے، ممکن ہے کہ اس کے ہجویات و ہزلیات نظرون مین کھٹکتے ہون تو اُن کے متعلق یہ عرض ہے کہ دسوین صدی ہجری کے ایرانی شعرا کا دامن ان سے آلودہ نہ ہونا، قریب قریب محال ہے، وحشی کی شاعری کی شہرت دسوین صدی سے لیکر آج تک یکسان طور پر قائم ہے، نہ تو رند مشربی کی زندگی اُس کی شاعری کے محاسن کو دھندلا کر سکتی ہے اور نہ ہجو نگاری ہی اس کی دامن شاعری کا ایک بدنما داغ قرار پا سکتا ہے، معاصرین اور متاخرین تذکرہ نویسون کے اقوال سے اس قیاس کی پوری طرح تائید ہوتی ہے، مثلاً تقی اوحدی کا وہ قول جس مین اس کو محتشم سے افضل قرار دیا ہے، نقل کیا جا چکا ہے،[1] وہ مزید لکھتا ہے :-

"یکی از متاخرین تا غایت ہیچ کس بدرستی کلامی و جامعیت شاعری و تازہ نوسی مثل او نبودہ خصوص غزلیات ہمہ حالی اوست، ہرچہ از مطلوب می دیدہ بہ نظم می آوردہ، لہٰذا این قدر موثر"

تقی کاشی نے جو وحشی کے حریف محتشم کے شاگرد ہین، اس کے اوائل شاعری کا بیان ان الفاظ[2] مین کیا ہے :-

"از اکثر سالکان مسالک سخنوری در اقسام شعر بہ وفور مہارت و قدرت امتیاز تمام پیدا کردہ"

---

[1] عرفات درق ۹۰، [2] خلاصۃ الاشعار حالات وحشی،

بعد کی شاعری کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے[1] :-

"در فن شاعری و اتربیات کلی دست داد و در جمیع اصناف شعر وقوف تمام پیدا کردہ، اشعار خوب و ابیات مرغوب بر دامان اہل روزگار ریختہ، از آن جملہ مثنوی گفتہ موسوم بہ فرہاد و شیرین کہ عقل خرد سخن‌شناسان در آن حیران است"

امین احمد نے[2] اس کی وفات کے دس سال بعد لکھا ہے :-

"لای آبدار نظمش زینت قلادہ فصاحت است و فرائد شاہوار غزلش خاتم بازوے بلاغت"

اسکندر منشی[3] بھی وحشی کو غزل اور مثنوی میں یگانۂ دہر قرار دیتا ہے اور عبد النبی[4] بھی اس کی شاعرانہ نکتہ رسی کے بے حد معترف ہیں، متاخرین تذکرہ نویسوں میں خان آرزو[5] نے لکھا ہے کہ فرہاد و شیرین کی چند حکایتوں کو پڑھ کر وہ اپنے جذبات کو روک نہ سکا اور بے اختیار اس پر گریہ طاری ہو گیا، مزید لکھا ہے :-

"در شعر طرز خاصے دارد، پیروی او بسیار مشکل است ... شعر او سہل ممتنع است"

صاحب مخزن الغرائب نے حرف بحرف خان آرزو کی تصدیق کی ہے، ابراہیم خلیل[6] اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ ذیل میں کرتے ہیں :-

"سائر اقسام نظمش نہایت خوب و بغایت دل نشین و مرغوب است، غزلیاتش تمام عاشقانہ و دردمندانہ و مثنویاتش ہمہ نمکین، خاصہ قصہ فرہاد و شیرین حیرت افزاے ناظران است"

اسی طرح والہ داغستانی نے ریاض الشعرا میں اور عشق عظیم آبادی نے نشتر عشق[7] میں وحشی کے کلام کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے،

غرض ہر دور کے سربرآوردہ تذکرہ نویسوں نے وحشی کی تعریف کے جو بوقلمون پھول کھلائے ہیں

---

[1] خلاصۃ الاشعار حالات وحشی [2] ہفت اقلیم ص ۱۸۲ [3] تاریخ عالم آرائے عباسی ص ۱۳۲ [4] میخانہ ص ۱۵۳ [5] مجمع النفائس ورق ۵۷۸ [6] ورق ۴۴۴ [7] حالات وحشی [8] ص ۱۹۳۶،

وہ دل و دماغ کیلئے کیف و سرور کا سامان بہم پہنچاتے ہیں اس کے کلام کی بار بار اشاعت بھی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ قبولیت عامہ کا طرۂ امتیاز اور سند افتخار اس کو مل چکا ہے[1]، مگر باوجود اس کے اس کی زندگی کا کوئی رخ حسب دلخواہ نمایاں نہیں، سلسلۂ حیات کی ہر کڑی الجھی ہوئی ہے حتیٰ کہ ولادت، حسب و نسب، خاندان وغیرہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا، بہرحال تذکروں اور خود اس کے کلام سے جو معلومات فراہم ہو سکے ہیں وہ ذیل کے اوراق میں پیش ہیں،

نام — اکثر تذکروں میں وحشی[2] کا نام کمال الدین بتایا گیا ہے، تقی اوحدی نے[3] یہی نام لکھا ہے، اسپرنگر[4] نے خلاصۃ الاشعار کے حوالے سے اس کا یہی نام تجویز کیا ہے، مگر خلاصۃ الاشعار کا جو نسخہ میرے زیر مطالعہ آیا اس میں وحشی کے حالات[5] ذیل میں، اس کا پورا نام درج نہیں، ممکن ہے کہ کہیں دوسری جگہ پایا جاتا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف اودھ کے شاہی کتب خانہ کے نسخہ میں جس سے اسپرنگر نے استفادہ کیا ہے، یہ نام درج رہا ہو، عبد النبی[6] نے میخانہ میں ایک معتبر شخص کے حوالہ سے جو وحشی کی صحبت میں ایک سال تک رہ چکا تھا اور جس نے خود اس سے اس کا نام دریافت کیا تھا، شاعر مذکور کا نام شمس الدین محمد لکھا ہے، لیکن اس بیان کی تائید کسی دوسری روایت سے نہیں ہوتی،

ولادت — وحشی کی پیدائش اور سنہ پیدائش کے بارے میں کوئی خاص اطلاع بہم نہیں پہنچ سکی، صرف میخانہ[7] میں اس کی عمر ۶۰ سال کی بتائی گئی ہے، چونکہ سال وفات بالاتفاق سنہ ۹۹۱ ہجری ہے اس حساب سے سنہ پیدائش سنہ ۹۳۹ ہجری یعنی ابتدائے عہد حکومت شاہ طہماسپ صفوی قرار پاتا ہے، اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس کا انتقال جوانی کے عالم میں ہوا، چنانچہ خلاصۃ الاشعار[8] میں اس کو آخر عمر میں جوان بتایا گیا ہے :-

---

[1] مثلاً دیکھو نشتر عشق ص ۱۹۳۶ و تتمہ حواشی میخانہ ص ۰۰ ، [2] عرفات ورق ۸۹ ، [3] فہرست اودھ ص ۵۸۳ ، [4] ص ۱۵۳ ، [5] ذیل حالات وحشی،

چون مدتہا در دار العبادہ یزد بفراغت اوقات گذرانید و باقی ایام جوانی را بہ عیش و سرور بپایان رسانید روزے در حالت مستی غزلے بگفت کہ بعضے ابیات آن دلالت بر تنفرے از وضع عالم و قرب اجل و ہلاک وے می کرد،

ما اجنبی ز قاعدۂ کار عالمیم[1] بیہودہ گرد کوچہ و بازار عالمیم

بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اُس نے اپنی عمر کے آخری ۱۶ سال یزد میں گذارے، اس اعتبار سے ورود یزد کے وقت اس کی عمر ۳۰ سال کی تھی، اس عمر کا آدمی جوان ہی متصور ہوگا بلکہ ۴۵ سال والے کو بھی جوان ہی کہتے ہیں، خصوصاً آج سے ۴۰۰ سال قبل جب لوگوں کی عمریں سو سے متجاوز ہو جاتی تھیں، ۵۰ سال کی عمر کی وفات کو جوانہ مرگی تصور کرنا بعد از قیاس نہ ہوگا،

مگر اس کے برخلاف رشید یاسمی[2] نے روضۃ الصفا کے حوالے سے لکھا ہے کہ وحشی کا ظہور شاہ اسمٰعیل (متوفی ۹۳۰ھ) کے زمانے میں ہوا، اس اعتبار سے اُسکی پیدائش ۹۲۰ ہجری کے قبل ماننا پڑے گی، اس لئے جن لوگوں نے اس کی وفات عالم جوانی میں قرار دی ہے، وہ غلطی پر[3] ہیں، اسی طرح اسمٰعیل نے بھی لکھا[4] ہے:

"در موقع وفات سنین عمرش بیش از شصت سال بودہ"

رشید اور اسمٰعیل نے اپنے قیاس کی تائید میں وحشی کے ایک قطعہ کا ذکر کیا ہے جس میں شاہ خلیل اللہ پسر میر میران یزدی کے علم اٹھانے کا ذکر ہے، اس قطعہ کے ذیل[5] کے دو مصرعوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ۹۵۳ ہجری کا ہوگا:-

ع جائے عزت ظلبان واعیہ جاندادان ع بادپائے علم غز خلیل اللہی

[1] دیوان میں اس غزل میں سات شعر ہیں (ص ۲۵۳) خلاصۃ الاشعار میں صرف دو شعر دوسرا اور تیسرا شعر موجود ہے [2] مقدمہ فرہاد و شیرین ص ۱۱ [3] ص ۱۲ پر کل عمر ۶۲ سال قرار دی گئی ہے۔ [4] مقدمہ دیوان ص ۱۰
[5] یہ قطعہ مطبوعہ دیوان سے خارج ہے، مقدمہ فرہاد و شیرین ص ۱۱ و مقدمہ دیوان ص ۱۰

رشید یاسمی مزید لکھتے ہیں:-

"این قطعہ خوب ساختہ نشدہ است، ولے با آنکہ کہ در حساب جمل بہت خاصہ در آوردن دو مصراع کہ ہر دو یک تاریخ ہیں، ازشان بدہد نمی توان سن گویندہ را کمتر از بیست و پنج سال داشت، بعلاوہ معلوم می شود کہ وحشی درین تاریخ بزرگ بودہ و از بافق بہ یزد و کاشان سفر کردہ"

رشید یاسمی نے اس طرح وحشی کی ولادت ۹۲۰ ہجری یعنی شاہ اسمٰعیل کے آخری سالوں میں فرض کر لی ہے، اگرچہ سوائے میخانہ کے سر دست کوئی دوسری روایت نہیں جس سے رشید کے مفروضے کے متعلق کچھ کہا جا سکے، مگر بہرحال اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روضۃ الصفا میں ظہور سے مراد صرف اسکی پیدائش ہی کیوں فرض کی جائے اُس سے تعلیم و تربیت، نشو و نما، ابتدائی مشق وغیرہ سب مراد لئے جا سکتے ہیں، مزید چونکہ روضۃ الصفا سے یہ نہیں پتہ چل سکتا کہ وحشی کا ظہور شاہ اسمٰعیل کے عہد کے بالکل آخر میں ہوا، اس لئے اس واقعہ کو شاہ کی وفات کے دو سال قبل ماننا بظاہر زیادہ مناسب نہیں، صاف ظاہر ہے کہ شاہ اسماعیل کے درمیانی عہد کا تسلیم کرنے سے بہت سے واقعات کی تطبیق نہ ہو سکے گی لیکن جہاں ایک طرف روضۃ الصفا کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے، وہاں متعدد تذکروں کے قول کی تغلیط بھی ہو جاتی ہے جس میں خلاصۃ الکلام جیسے وقیع تذکرے بھی شامل ہیں:-

پھر خود علم اٹھانے کا واقعہ ہی مشکوک و مشتبہ نظر آتا ہے۔ شاہ خلیل اللہ میر میران یزدی کے تیسرے فرزند[1] تھے۔ جو ۹۸۶ھ[2] میں شاہ اسماعیل ثانی کے داماد ہوئے یہ بالکل مسلّم ہے کہ شادی کے وقت اُن کی عمر ۴۰ سال سے کم ہی رہی ہوگی کیونکہ شاہی خاندان کی دامادی کا فخر سن رسیدہ کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اس اعتبار سے شاہ خلیل کی ولادت ۹۴۶ھ کے بعد کی ماننا پڑے گی اور یہ ظاہر ہے کہ ۵-۶ سال کا بچہ علم اٹھانے کے قابل کیونکر ہو سکتا ہے، رشید یاسمی کو بھی اس واقعہ کی

[1] میر میران کے چار فرزند تھے نعمت اللہ، غیاث الدین منصور، شاہ خلیل اللہ (متوفی ۱۰۱۶ھ) شاہ سلیمان (طرائق الحقائق)
(بقیہ حاشیہ ص ۴۶ پر)

تفصیل میں شکوک نظر آتے ہیں، ۲۵ سال کی عمر فرض کرنے میں جو توجیہ پیش کی گئی ہے وہ بھی ناقص ہے
غیر معمولی ذہین لڑکا ۱۴ سال کی عمر میں بھی قطعات لکھ سکتا ہے اور کند ذہن کے لئے ۲۵ سال کی عمر بھی کم ہی
ہوگی، یزد و تفت کے قیام کا مفروضہ میر میران سے وابستگی کے تیقن کا نتیجہ ہے، حالانکہ آیندہ صفحات سے یہ
حقیقت روشن ہو جائے گی کہ میر مذکور سے وابستگی وحشی کے قیام کاشان کے بعد پیدا ہوئی، البتہ اتنا ضرور
صحیح ہے کہ کاشان جانے کے قبل وحشی یزد میں مقیم رہ چکا ہے، اور علم اٹھانے والا واقعہ اسی عہد میں ہوا ہوگا،
مگر اس سے باقاعدہ تعلق بعد میں پیدا ہوا، اور کاشان جانے کے قبل وحشی کی کم سنی خلاصۃ الاشعار اور
میخانہ دونوں کے بیانوں کی رو سے مسلّم ہے۔

وطن | تمام تذکرے اس بات پر متفق ہیں کہ وحشی کی پیدائش بافق[1] میں ہوئی، دسویں صدی ہجری میں یہ ایک
مشہور قصبہ تھا مگر اس بارے میں سخت اختلافات ہیں کہ اس عہد میں یہ قصبہ کرمان کے حدود میں شامل
تھا یا یزد ہی کا جزو تھا، خلاصۃ الاشعار میں ہے کہ وہ اصلاً یزدی ہے، حالانکہ مولد قصبہ بافق ہے، تو اس تذکرہ
میں اسکا شمار مشاہیر یزد میں کیا گیا ہے لیکن اس کے بیان سے یہ صریحی طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ بافق یزد ہی کے حدود
میں ہے یا اس سے الگ، گو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ صاحب خلاصہ کی اطلاع کے بموجب اس قصبہ کا شمار
یزد ہی میں ہوگا، البتہ عرفات اور میخانہ میں بافق کو یزد کا جزء بتایا گیا ہے، اس کی تائید متعدد تذکروں سے
ہوتی ہے، رشید یاسمی نے اس کی تائید ذیل کے جملے میں کی ہے۔[2]

مولدِ او قصبۂ بافق است، در بست و چہار فرسنگے از یزد، در زمان وحشی جزء یزد بود و اکنون ہست،

اس کے بعد انھوں نے آتشکدہ کا بیان دہرایا ہے جس میں یزد کو کرمان کا جزء قرار دیا گیا ہے، یہی

بقیہ حاشیہ ص ۴۵ ۔ ۴؎ مقدمۂ فرہاد و شیریں ص ۱۲ ۔ ۱؎ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کیٹلاگ نے اس کو بسکون فا (بافق)
ہے فا ے مکسور کو غلط بتاتے ہیں، مگر وحشی کے اس مصرعہ میں وہ متحرک ہے، در اظہار انعام حکام بافق ۲؎ مقدمہ
فرہاد و شیریں ص ۱۳۔

وجہ ہے کہ آذر نے اس کو پیدائش کے اعتبار سے کرمانی اور قیام کے اعتبار سے یزدی تجویز کیا ہے، ریو[1]،
ایتھے وغیرہ نے بھی وحشی کو کرمانی ہی لکھا ہے، بانکی پور کے فہرست نگار وحشی کو کرمانی تجویز کرتے ہوئے
رقم طراز ہیں:-[2]

وحشی کی ولادت بافق (کرمان) میں ہوئی، مگر چونکہ یہاں (یزد میں) وہ بچپن میں آکر مقیم ہو گیا،
اور تقریباً پوری زندگی یہیں گذاری اس لئے وحشی یزدی مشہور ہو گیا، جیسا کہ اسی بنا پر امین احمد
رازی نے ہفت اقلیم میں اس کو یزدی لکھا ہے؛

مگر فہرست نگار کا یہ قیاس کہ قیام یزد ہی کی بنا پر مؤلف ہفت اقلیم نے اس کو یزدی لکھا ہے غلط ہے کیونکہ
ہفت اقلیم[3] میں اس طرح کا کوئی جملہ نہیں پایا جاتا، اس میں صاف طور پر بغیر کسی شرط کے اس کا شمار
مشاہیر یزد میں کیا گیا ہے۔

مؤلف نشتر عشق[4] نے بھی بافقی کو کرمانی ہی لکھا ہے، اس طرح خاصی تعداد ایسے مصنفین کی ہے
جو بافق کو کرمان میں تجویز کرتے ہیں لیکن انھیں وحشی کے معاصرین میں کوئی بھی نہیں،
فرہاد و شیریں کے ناشر حسین کوہی کرمانی نے وحشی کو ہر جگہ کرمانی ہی لکھا ہے اور رشید کے قول کی مخالفت
حاشیہ میں ان الفاظ میں کی ہے:-[5]

"بافق از نقاط شمال شرقی کرمان و چہل و نہ فرسنگ بہ شہر کرمان فاصلہ دارد، تا اوائل سلطنت
ناصر الدین شاہ ضمیمۂ کرمان بودہ، محمد حسن خان سردار ایروانی در سنوات ہزار و دو صد و شصت
و ہفت ۱۲۶۷ھ [illegible] ۱۲۶۹ھ بحکومت یزد و کرمان جمعاً منسوب شدہ بہ تقاضائے اہالی یزد کہ
می خواستند قلمرو یزد وسیع باشد چندین نقطہ را از کرمان و اصفہان و فارس منتزع نمودہ ضمیمۂ یزد نمودہ است،

۱؎ فہرست ریو ج ۲ ص ۶۶۳ ۲؎ فہرست ایتھے وغیرہ ج دوم ص ۴۷، ۱۷ ۳؎ ص [illegible] ۴؎ ص ۱۹۳۲
۵؎ حاشیہ ص ۱۳ و ۱۴۔

بجو ذیل:- بافق و بهاباد و شهر بابک از کرمان، نائین از اصفهان، هرات و مرو ش از فارس،

بنابرین وحشی کرمانی بوده و بہت وخواہد بود:

اگر رشید کا صریحی قول نہ ہوتا تو اتنے تفصیلات کے بعد وحشی کو کرمانی ماننے میں کسی قسم کا تامل نہ ہوتا، بافق یزد سے ۵۲ فرسنگ اور کرمان سے ۴۹ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے، اس اعتبار سے اُس کا یزد سے ملحق ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اس قیاس کی تائید اس بات سے اور ہوتی ہے کہ وحشی یزدی کے اجداد یزد ہی میں مقیم تھے ممکن ہے کہ وحشی کے زمانہ میں اس کا شمار یزد ہی میں ہو، بعد کو اس کو کرمان میں شامل کر دیا گیا ہو اور آخر کار محمد حسن خان کے ایام میں دوبارہ یزد میں شامل کر لیا گیا ہو، اس سے ایک حد تک حسین کوہی کے بھی خیال کی تائید ہو جاتی ہے، حسین کوہی کو ان لوگوں سے بھی پرخاش ہے، جو وحشی کو کرمانی مانتے ہوئے یزدی لکھنے پر مصر ہیں،

تخلص – تذکروں میں وحشی کے تخلص کے سلسلہ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، اور حقیقت یہ ہے کہ بہت کم شاعر ایسے ہیں، جن کے تخلص سے کوئی قابل ذکر واقعہ متعلق ہوتا ہے، بظاہر وحشی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں معلوم ہوتا، مگر میخانہ[۱] میں ایک واقعہ مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاشان میں وحشی اول جوانی میں چلا آیا، اور مکتب دار ہو گیا، اس وقت وہ شعر نہیں کہتا تھا، کچھ عرصہ بعد شعر گوئی کی طرف مائل ہوا، اور حسب ذیل بیت نظم کی:-

اگرچہ[۲] ہیچ نہ دارم بہ سر بہ گلے دارم	چو شب شود بہ سر خویش مشعلے دارم

اس بیت کی شہرت حاکم وقت محمد[۳] سلطان کے کانوں تک پہنچی، اُس نے وحشی کو طلب کیا، مگر اس سے مطلق متاثر نہ ہوا بلکہ نظر حقارت سے دیکھا اور کہا کہ یہ شخص اس طرح کے شعر نہیں کہہ سکتا، حاضرین نے کہا کہ یہ بیت اسی وحشی کی ہے، چونکہ اس کے مرحوم بھائی کا تخلص وحشی تھا اسی لئے حاکم کے حضور میں اُس کو تخفیفاً

---

[۱] ص ۵۳ [۲] یہ شعر کلیات میں نہیں پایا جاتا، اس ردیف و قافیہ کی کوئی غزل دیوان میں نہیں ہے [۳] اس کی تعین نہ ہو سکا، خلاصۃ الاشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے ورود کے موقع پر مرزا محمد حاکم کاشان تھا،

اس نام سے یاد کیا گیا، چنانچہ اس کے بعد شاعر ندکور نے وحشی تخلص اختیار کر لیا، اور اپنے مرحوم بھائی کا کل کلام اپنے دیوان میں شامل کر لیا، اس میں جو کلام تخلص کے ساتھ ہے وہ اس کا ہے اور جو بلا تخلص ہے وہ اس کے بھائی کا ہے،

چونکہ صاحب میخانہ نے اپنے ایک دوست سے یہ روایت سنی تھی اس لئے اس کو بیک نظر رد نہیں کیا جا سکتا، مگر خلاصۃ الاشعار[۱] میں ہے کہ اپنے وطن ہی کے قیام میں یعنی کاشان جانے کے قبل اس نے طریق شاعری را در ملازمت آنجناب (مولانا شرف الدین علی بافقی) کسب کردہ، اور نیز یزد ہی کی ابتدائی سکونت کے زمانے میں اُس نے غالباً شاہ خلیل کے علم اٹھانے پر قطعۂ تاریخی لکھا تھا، اس لئے میخانہ کی یہ روایت کہ اس نے کاشان میں شعر کہنا شروع کیا، پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی،

وحشی کا مشہور بھائی، مرادی بافقی تھا جو اُس سے عمر میں چھوٹا تھا، تذکرہ نویس متفق ہیں کہ دونوں بھائیوں نے شرف الدین سے کسب فیض کیا تھا، ممکن ہے کہ وحشی نے اپنے جس بھائی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مرادی ہو، کیونکہ مرادی کا کاشان جانا یقینی ہے، غالباً یہی وجہ تھی کہ غضنفر اور فہمی نے وحشی اور مرادی دونوں کی ہجویں لکھیں، بظاہر کاشان ہی کے قیام کے دوران میں اُس کا انتقال بھی ہوا جیسا کہ فہمی کے ترکیب بند سے ظاہر ہوتا ہے، غالباً وحشی کا بیرو مرثیہ اپنے اسی بھائی کے لئے تھا، لیکن اس قیاس کی صحت کے بعد میخانہ کی مذکورۂ بالا روایت میں دوسری قسم کی قباحتیں پیدا ہو جائیں گی، مثلاً اس کے بھائی کا ابتدائی منزل میں ہونا، اُس کا تخلص مرادی کے بجائے وحشی ہونا، حالانکہ ان دونوں آخری باتوں کے غلط ہونے میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ہے،

قیام بافق و ابتدائی مشق شعر و سخن تا ۹۵۰ھ – بظاہر وحشی نے اپنے وطن ہی میں تعلیم و تربیت پائی،

---

[۱] ذیل حالات وحشی [۲] و مکیوں وفات وغیرہ [۳] خلاصۃ الاشعار ذکر غضنفر و فہمی [۴] ایضاً [۵] فہرست بانکی پور ج ۲ ص ۴۸، نیز کلیات (بانکی پور) ورق ۲۹۲ الف بعد [۶] فہرست ریوج دوم ص ۶۶۳،

خلاصۃ الاشعار کا حسب ذیل بیان بہت اہم ہے:-

(وحشی) از جملہ شاگردان و تربیت یافتگان مولانا شرف الدین علی بافقی است کہ در فن قصیدہ او را انوری عصر می گفتہ اند، و طریق شاعری را در ملازمت آن جناب کسب کردہ چنان کہ باید ورزیدہ و اومی کوشیدہ۔

عرفات مین بھی ہے[1] کہ وحشی اور مرادی بافقی دونون بھائیون نے شرف الدین علی بافقی سے کسب فیض کیا، متاخرین کے تذکرون سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے، البتہ بعضون[2] نے مولانائے مذکور کی نسبت بافقی بعضون[3] نے بافقی یزدی اور چند[4] نے صرف "یزدی" لکھی ہے، چونکہ قرین قیاس یہی ہے کہ بافق یزد ہی کا جزء تھا، اس لئے ان مین سے کسی کے بھی بیان کی تغلیط نہین کی جاسکتی،

اتفاق سے مولانا شرف الدین نامی ایک دوسرا شخص تقریباً نصف صدی قبل یزد ہی مین گذر چکا تھا، اسی بنا پر چند لوگون نے مولانا شرف بافقی اور وحشی کے رشتہ اُستادی وشاگردی سے انکار کردیا ہے، مثلاً بانکی پور کے فہرست[5] نگار نے صاف صاف لکھا ہے کہ چونکہ مولانا شرف الدین کا انتقال وحشی سے بہت قبل ہوچکا ہے اس لئے دونون کے درمیان یہ تعلق تسلیم نہین کیا جاسکتا،

اس اشتباہ کی سب سے بڑی وجہ وہ بیان ہو جس مین شرف الدین، استاد وحشی کی وطنی نسبت بجائے[6] بافقی کے یزدی درج تھی، مگر اس حقیقت سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ شرف الدین یزدی صاحب ظفرنامہ (متوفی ۸۵۸ھ) اور استاد وحشی دو الگ الگ شخصیتین تھین، اس قیاس کی تائید حسب ذیل وجوہ سے بخوبی ہوجاتی ہے،

[1] ذیل حالات وحشی، [2] ورق ۹۸۰ ب، [3] مثلاً خلاصۃ الکلام ورق ۴۴ و نیز مخزن نسخہ ص ۷۷، ۸،
[4] مثلاً عرفات، مجمع النفائس، ہفت اقلیم، ریاض الشعراء وغیرہ،
[5] مثلاً نشتر عشق و مرآۃ آفتاب نما وغیرہ، [6] ج ۲ ص ۴۴،

۱- ہفت اقلیم مین یزد کے ذیل مین دونون کا ترجمہ[1] موجود ہے، دونون کا نام شرف الدین علی ہے صاحب ظفرنامہ بغیر وطنی نسبت کے اور وحشی کا استاد بافقی نسبت سے مذکور ہے، اول الذکر علاوہ ظفرنامہ کے حسب ذیل چار کتابون کا مؤلف ہے، (۱) حلل مطرز و منتخب (ب) شرح قصیدہ بردہ (ج) کنہ المراد در علم وفق اعداد (د) اشعار ابدار از قسم مثنوی و غزل و رباعی،

استاد وحشی اپنے زمانے کے فضلا مین تھا، اس کے اشعار قصیدہ کی شکل مین شاہ طہماسپ کی مدح مین کثرت سے پائے جاتے ہین، ایک مرتبہ شاہ مذکور نے اسسے گفتگو کی مگر گران گوش ہونے کی وجہ سے وہ سعادت سے محروم رہا، اس پر یہ قطعہ لکھا:

از گرانی صدف نہ شد گوشم — قول شہ را کہ بود دُر ثمین
جائے آن بود کز گرانی گوش — پائے تا سر فرو روم بزمین

مولف نے شاہ کے ایک مدحیہ قصیدہ سے ۲ شعر نقل کئے ہین ع

زعنبرین خط او بر بیاض صفحۂ ماہ — نوشت کلک قضا شرح تم وجہ اللہ

۲- خلاصۃ الاشعار مین بھی دونون مذکور ہین اور دونون کی الگ الگ حیثیتین ہین،

۳- وحشی کے کلیات[2] مین ایک تاریخی قطعہ ہے جس سے اس کے استاد مولانا شرف الدین علی بافقی کی تاریخ وفات نکلتی ہے، صاحب ظفرنامہ اس سے بہت پہلے انتقال کرچکا ہے،

۴- اکثر معاصرین نے اس واقعہ کی صراحت کی ہے،

پروفیسر محمد شفیع[3] نے اسپرنگر کے حوالے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صاحب ظفرنامہ کا پورا نام شرف الدین علی یزدی اور استاد وحشی کا شرف الدین علی بافقی ہے، یعنی اول الذکر مین علی کا اضافہ ہے،

[1] دیکھو ص ۱۷۳، ۱۷۴، وص ۱۷۸، ۱۷۹، [2] مقدمۂ دیوان ص ۹ کلیات (بانکی پور) ورق ۱۰۱، [3] حواشی میخانہ ص ۴۱ و نیز دیکھو ص ۱۰۰،

اس طرح انھون نے دونون کے وجود کا اقرار کیا ہے، مگر اُن تذکرون کے بیان کی تغلیط کی ہے جو استاد وحشی کو علی یزدی یا علی بافقی لکھتے ہین، چنانچہ لکھتے ہین:-

"مرآة آفتاب نما . . . مین بھی لکھا ہے کہ وحشی شرف الدین علی یزدی کا شاگرد تھا، مگر ان تذکرہ نویسون کو دھوکا ہوا ہے کیونکہ تقی کاشی نے (فہرست اسپرنگر ص ۳۰) وحشی کو جس شرف الدین بافقی کا شاگرد بتایا ہے اور صاحب ہفت اقلیم اور صاحب گنج الٰہی (اسپرنگر ص ۹۷) نے اسی کا نام شرف الدین علی بافقی لکھا ہے، وہ علی یزدی صاحب ظفرنامہ سے الگ شخص ہے"،

لیکن اسپرنگر نے خلاصۃ الاشعار سے نامکمل نام درج کیا ہے، عرفات اور خلاصۃ الاشعار دونون مین استاد وحشی کا پورا نام وہی ہے جو ہفت اقلیم اور گنج الٰہی مین ہے اور ذرا سی ترمیم کے ساتھ مرآة آفتاب نما وغیرہ مین ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس بیان سے لوگون کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے، مگر یہ مسلّم ہو کہ اس مین کوئی سقم نہین کیونکہ بافقی ادنیٰ طور پر یزدی سمجھا جائے گا،

ممکن ہے کہ وحشی نے یزد مین بھی تعلیم و تربیت پائی ہو کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ اوائل زندگی مین اس کی آمد و رفت یزد مین ہوتی رہی ہو گی، اس کے اجداد کا وطن یہی تھا، مزید صدر مقام ہونے کی بنا پر ہر طرح کی آسانی یہان مہیا ہو گی اور بافق سے صرف ۲۵ فرسنگ کے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے بار بار آمد و رفت مین بھی آسانی ہوتی ہو گی، لیکن اس سے یہ قیاس بالکل غلط ہو گا کہ بچپن سے وہ یزد ہی مین مقیم ہو گیا،

فی الحال اس بات کا یقین مشکل ہے کہ وحشی کب تک اپنے وطن اور یزد مین ابتدائے عمر مین سکونت پذیر رہا، اس سلسلہ مین صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ سنہ ۹۵۲ھ مین جب اس کی عمر چودہ[۱۴] پندرہ[۱۵] سال کی تھی بظاہر وہ یزد مین موجود تھا، گویا اس سنہ کے کچھ عرصہ بعد تک اس کا باقاعدہ سفر شروع

نہین ہوا تھا، ان ہی ایام مین اس نے شعر و سخن سے شناسائی پیدا کی ہو گی، اور اس کی خواہش یہ ہو گی کہ کسی طرح میر میران سے توسل پیدا ہو جائے، شاید اسی خواہش کا مظاہرہ وہ قطعہ ہو جس مین شاہ خلیل کے علم اٹھانے کی تاریخ درج ہے، ایک قرینے[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۰ ہجری مین وہ کاشان مین موجود تھا، چونکہ اپنے وطن ہی سے اوّل جوانی مین کاشان گیا ہے اس لئے وطن کا قیام سنہ ۹۵۵ھ سنہ ۹۵۹ھ تک فرض کرنے مین کوئی قباحت نہ ہو گی جب کہ وہ ۱۸، ۱۹ سال کا تھا،

قیام کاشان سنہ ۹۵۹ھ تا سنہ ۹۶۰ھ

خلاصۃ الاشعار کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وطن سے کاشان کی طرف اپنی شاعری کے اوائل حال مین گیا ہے، مگر میخانہ[۲] مین ہے:-

در اول جوانی و عنفوان زندگانی کہ ہنوز واردات غیبی ریشۂ فیضے بہ اندیشہ او نہ دادہ و از سرچشمۂ فیض نامتناہی بے ترنہ کردہ، از وطن خروج نمودہ بہ کاشان آمد و دران جا بہ مکتب داری مشغول شد،

جہان تک خروج وطن کے وقت وحشی کی عمر کا تعلق ہے میخانہ کی روایت صحت سے بالکل قریب ہے، ظاہر ہے کہ ۹۶۰ ہجری مین اس کی عمر تقریباً ۱۵ سال کی تھی اور اس عمر کا شمار اوّل جوانی اور عنفوان زندگانی ہی مین ہو گا، مگر میخانہ ہی کے بعد والے بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وطن مین اس کا تعلق شعر و سخن سے مطلق نہ تھا بلکہ کاشان مین ایک عرصہ تک وہ اس طرف مائل نہ ہوا، لیکن یہ قیاس غلط ہے، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے،

بعض بیانون مین اس کے کاشان کے قیام کو مطلق نظر انداز کر دیا گیا ہے، خصوصاً فہرست نگارون نے عموماً کاشان کا ذکر ہی نہین کیا، ہمارے زمانے کے ایرانی اصحاب بھی وحشی کے قیام کاشان پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہین، چنانچہ رشید یاسمی نے صرف ذیل کی بیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کچھ دنون

---

[۱] ایضاً نمبر ۹۵، ص ۵۲، ۵۳،

وہ کاشان بھی رہ چکا ہے ؎

یوسف دیگر بدست آور تو وحشی قحط نیست — ما گمرد در مصر یعنی شہر کاشان نیستیم

(ص ۵ ا مقدمہ ج ۱)

مگر اسماعیل نے تو صرف اس قدر لکھنے پر قناعت کی ہے:-

بعید نیست کہ کاشان . . . را دیدہ باشد (دیوان ص ۲)

کاشان کے قیام کے دوران میں وحشی کی سرپرستی امیر رفیع الدین حیدر معمائی نے کی، کاشان کے تقریباً سب شاعر اسی امیر کے آستانہ سے متعلق تھے، محتشم کاشانی سے لیکر فہمی، غضنفر، باقر وغیرہ تک سب کی کفالت میر مذکور کے ذمہ تھی، باہر سے آنے والے شعراء کا مرجع آمال صرف میر مذکور ہی کی ذات تھی، چنانچہ میر حیدر کی سرپرستی میں وحشی نے بھی کافی ترقی کی، خلاصۃ الاشعار میں[۱] ہے:-

از انعام و احسان سادات رفیع الدرجات این جا خصوصاً امیر رفیع الدین حیدر معمائی محظوظ و بہرہ ور می بود،

مآثر رحیمی[۲] میں مختلف مقامات پر وحشی کو امیر مذکور کا پروردہ بتایا گیا ہے، چونکہ معمائی خود ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا اس لئے وحشی نے اس کی تربیت میں شاعری میں کافی نام پیدا کر لیا، خلاصۃ الاشعار میں صاف طور پر ہے کہ "بعضے ممیز سخن" کی تربیت سے اس کی شاعری کافی ترقی کر گئی، ان ممیز سخن میں امیر حیدر ضرور شامل رہے ہوں گے، خلاصۃ الاشعار کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چند دوسرے سادات نے بھی وحشی کی سرپرستی کی،

وحشی کی زندگی میں قیام کاشان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یہ زمانہ ایسے ماحول میں گذرا جس نے اس کی شاعری کو پختہ کر دیا، اس کو ایسی سخت منزلوں سے گذرنا پڑا جس کا لازمی نتیجہ کامیابی اور پختگی کی شکل میں رونما ہوتا ہے، کاشان میں اس عہد میں مناظرے اور مشاعرے بہت ہوتے تھے، مناظر

[۱] ذیل حالات وحشی، [۲] دیکھو ج ۳ ص ۷۲۰، ۷۲۵ و حاشیہ ص ۷۶۹،

شاعروں میں سب سے زیادہ ممتاز غضنفر، فہمی، حاتم، شجاع اور مقصود تھے، محتشم کاشانی بھی جو سب میں سربر آوردہ تھا، اپنے دامن کو اس سے نہ بچا سکا، ان لوگوں کا دستور تھا کہ آپس میں مناظرے کرتے، ایک دوسرے کی رکیک ہجویں لکھتے اور جب باہر سے کوئی شاعر آجاتا تو سب کے سب اس سے ٹکر لیتے، اور اسے رسوا و ذلیل کرنے کی انتہائی کوشش کرتے، چنانچہ وحشی بھی جب یزد سے کاشان پہونچا تو سب شاعروں نے اس سے مناظرے کئے، بظاہر واقعہ ایسا ہی ہے مگر خلاصۃ الاشعار[۱] سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا وحشی ہی نے کی:-

ہموارہ با شعرائے اینجا مناظرہ می کرد و بر سخنان ایشان اعتراض می نمود،

اور بہ حسن اتفاق یہ سب شاعر امیر حیدر سے وابستہ تھے، اس لئے مناظرہ و مباحثہ کا زیادہ سے زیادہ موقع حاصل تھا، مختصر یہ کہ وحشی نے وہاں کے تمام شاعروں سے مناظرے کئے، ہجویں لکھیں، جو [illegible] جن کی تفصیل سے سردست ہم قاصر ہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ ایک مرتبہ غضنفر نے وحشی کی ہجو میں ایک رباعی لکھی جس میں اس کے گنجا ہونے پر چوٹ تھی، اور خود وحشی کو بھی اپنے اس عیب پر بیحد افسوس تھا جس[۲] کا ذکر اس نے ایک قطعہ[۳] میں کیا ہے، وہ رباعی[۴] یہ ہے:-

وحشی کہ گرفتہ شورہ گرد سر او — دانم ز سر گل[۵] است شور و شر او

افتادہ میان من و او کشتی شعر — لیکن نتوان نہاد سر بر سر او

وحشی نے ذیل[۶] میں اس کا جواب دیا:-

غضنفر کلجاری بہ طبع چون پلنگ — رسید و خواست کند خویش را برابر من

دے ز آتش طبعم پلنگ دار گریخت — زہے جانورے در گذشت از بر من

[۱] ذیل حالات وحشی، [۲] دیوان ص [۳] وفات ورق و ہفت اقلیم بذیل غضنفر [۴] سر گل: گنجا سر کو کہتے ہیں، اس مطابقہ کی ابتدا یوں ہے [۵] نشستم وحش در کنجے کہ سازم — سر کل را بزیر فوطہ پنہان در فوطہ - بگزی) [۶] کذا در حاشیہ نمبر ۶۵

ایک دوسری رباعی[1] مین غضنفر نے یون چوٹ کی :-

وحشی و برادرش کہ خلوت کردند — در ملک سخن ترکِ خصومت کردند

ہر شعر کہ در کہنہ کتابے دیدند — بردند و برادرانہ قسمت کردند

تقی کاشانی نے لکھا ہے[2] کہ جن دنون نواب مرزا ولد معصوم بیگ صفوی حاکم کاشان تھا، غضنفر اور وحشی مین جھگڑا ہوا کہ دونون مین اشعر کون ہے، نواب کے سامنے دونون مین مقابلہ ہوا تو اس نے غضنفر کو ترجیح دی اور خلعت سے بھی سرفراز کیا،

وحشی کا بڑا حریف فہمی کاشانی تھا، بظاہر اس کی ہجوین غضنفر کے بعد کی ہین کیونکہ اس کا بھائی اس وقت زندہ نہ تھا، جیسا کہ غضنفر کی رباعی سے اس کے بھائی کا حیات ہونا ثابت ہے، فہمی کا ایک طویل ترکیب بند وحشی کی ہجو مین پایا جاتا ہے، اس کو وحشی سے اس درجہ پرخاش تھی کہ اس کے انتقال کے پانچ سال بعد[3] ایک مجمع مین اس نے وحشی کی برائی شروع کی، اتفاقاً صاحب عرفات بھی وہان موجود تھا، اس نے فہمی کی ایسی خبر لی کہ پھر کبھی اس نے ایسی جرأت نہ کی، وحشی نے بھی فہمی کی بڑی ہجو کی، چنانچہ اس کے کلیات مین ایک مثنوی موجود ہے جس مین فہمی کو رکیک طور پر مطعون کیا ہے، تقی کاشانی نے ان دونون کے جھگڑون کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے[4] :-

در اواخر حال میان او و جمعے از شاعران اینجا جنان کہ رسم باشد کار بہ ہجو انجامید و یک دگر را ہجو ہاے رکیک کردند و ماجرای کہ میان جناب ایشان و مولانا فہمی و دیگران واقع شدہ مشہور است،

تقی اوحدی نے لکھا ہے[5] کہ وحشی اور محتشم سے مقابلہ و مناظرہ ہوا، بظاہر یہ مناظرہ قیام کاشان ہی کے دوران مین ہوا ہوگا، مگر صاحب خلاصۃ الاشعار نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ بارہوین صدی کے

---

[1] خلاصۃ الاشعار و ہفت اقلیم ذکر غضنفر [2] ایضاً [3] حواشی میخانہ ص ۳۴ [4] عرفات ورق ۷۷، ذیل حالات فہمی، [5] ذیل حالات وحشی، [6] عرفات ورق ۷۸۵ ب

تذکرون مین دونون کے مقابلہ کا ضمناً ذکر پایا جاتا ہے،

یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وحشی کاشان مین کب تک مقیم رہا، مگر اتنا معلوم ہے کہ مدت کافی طویل رہی ہوگی، قیاس یہ ہے کہ ۹۵۰ ہجری کے قریب وہ کاشان گیا، بقول تقی کاشانی اس وقت وہان کا حاکم میرزا محمد تھا، ممکن ہے کہ اسی کو میخانہ مین محمد سلطان کہا گیا ہو کیونکہ میخانہ کے بیان کے بموجب وحشی کے ورود کاشان کے وقت حاکم وقت وہی تھا، مآثر کی صراحت[1] کے اعتبار سے صرفی ساوجی اپنے دس سالہ قیام کاشان مین وحشی سے ملاقات کر چکا ہے، کاشان سے وہ ہندوستان آیا اور کچھ دنون تک یہان کے امراء سے متعلق رہا، اور ۹۹۱ھ کے قریب خان خانان سے گجرات مین ملا، اگر خروج کاشان اور خانخانان سے ملاقات کے درمیان کا وقفہ ۵-۶ سال فرض کیا جائے تو صرفی کے کاشان چھوڑنے کا سنہ ۹۸۵ ہجری قرار پاتا ہے، اور چونکہ اس کے قیام کی مدت ۱۰ سال ہے اس لئے اس کا ورود کاشان ۹۷۵ھ مین واقع ہوسکتا ہے، لیکن وحشی کا قیام اس سنہ مین مشکل ہی سے تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ ظہوری کی یزد مین آمد کے وقت وہ یزد ہی مین تھا جیسا کہ مآثر کی ذیل[2] کی عبارت سے ظاہر ہے :-

"ظہوری بدار العبادہ یزد در آمد و در خدمت میر میران بسر بردہ با وجود ... لسان الزمان مولانا وحشی بافقی در ان سلسلۂ رفیعہ راہ مصاحبت و مؤانست یافت"

ظہوری ۹۸۰ھ سے قبل مدت مدید تک یزد مین رہ چکا ہے اور چند قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت ۴، ۵ سال سے کم نہ تھی، اس طرح اس کی آمد ۹۷۵ھ کے قریب رہی ہوگی، غرض کہ اس سنہ کے بعد فوراً ہی وحشی نے کاشان کو خیر باد کہا ہوگا، اس طرح صرفی کی ملاقات وحشی سے بہت کم عرصہ تک رہی ہوگی، حالانکہ مآثر کی ذیل[3] کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا :-

---

[1] ج سوم ص ۱۰۵۶ ببعد، [2] ج ۳ ص ۳۹۴، [3] ج ۳ ص ۱۵۰۴

مدت دہ سال با شعرائے کاشان مثل حاتم، فہمی، رضائی، شجاع شاعری باکرد و مولانا وحشی با فقی و غیرتی شیرازی در آن زمان در آن جا بودند،

"در آن زمان" کا تعلق مدت دہ سالہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے فقرہ صرفی کا ورود کاشان مراد لیا جا سکتا ہے،

اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ وحشی نے تقریباً ۱۵-۱۶ سال یعنی ۹۵۹ھ سے ابتدائے ۹۷۵ھ تک کاشان میں بسر کئے، اور یہ مدت اُس کی عمر کے ۲۰ سال سے ۳۶ سال تک کے مطابق ہے، اس عہد میں اس کی شاعری پختہ ہو گئی، غزل میں وہ ایک خاص طرز کا مالک ہوا، اور مثنوی میں تو وہ سب سے بازی لے گیا، مختصر یہ کہ جمیع اصناف میں اس نے نام پیدا کر لیا، اُس کی مثنوی ناظر و منظور اسی عہد کی تصنیف ہے اور بقول خلاصۃ الاشعار فرہاد و شیرین بھی اسی زمانہ میں لکھی گئی مگر اس کے ماننے میں کسی قدر تامل ہے،

قیام یزد ۹۷۵-۹۹۱ ہجری

وحشی کی زندگی میں قیام یزد کی اہمیت منجملہ اور وجوہ کے اس بنا پر بھی ہے کہ اس کو سب نے تسلیم کیا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ وحشی کا قیام بچپن ہی سے تھا، جو صحت سے دور ہے ایک مدت تک کاشان میں بسر کرنے کے بعد وحشی اپنے وطن یزد کی طرف آیا ہے اور آخر میں مستقلاً اسی کو اپنی سکونت گاہ قرار دی۔

یزد میں شاعر مذکور کا تعلق میر میران یزدی سے تھا، سید مذکور سے اُس کی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ بقول رشید[1]

"وجود این سید منعم کریم برائے وحشی گنج بود در ویرانۂ یزد و عقل او حکم نمی کرد کہ چنین ممدوح را گذرد"

[1] مقدمۂ فرہاد و شیرین ص ۲۲،

اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وحشی تلاش ممدوح میں کہیں اور نہیں گیا مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میر میران سے شاعر مذکور کا ایسا گہرا تعلق تھا کہ میر کی سرپرستی نے اس کو غم روزگار سے یک گونہ مطمئن کر دیا تھا، اسی سرپرستی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے مدحیہ کلام کا نصف سے زیادہ حصہ اور کل کلام میں ایک ربع میر میران اور اُن کے پسر شاہ خلیل اللہ کی مدح میں ہے۔ خلاصۃ الاشعار[1] میں بھی ہے:-

روے بدار العبادہ یزد کرد و بہ شرف مداحی خاندان شاہ نور الدین نعمت اللہ ولی مشرف گشتہ چندین سال دران جا بسر برد و در مدح مرتضائے ممالک اسلام و مقتدائے اہل عرفان امیر غیاث الدین میر میران ... قصائد غرا بگفت،

اس بیان سے اور نیز عرفات[2] سے یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ خاندان نعمت اللّٰہی کے بہت سے افراد سے اس کی وابستگی تھی، اور اس خاندان کے بہت سے افراد کرمان، تفت، اما ہان میں[3] پھیلے ہوئے تھے، بظاہر وحشی نے ان مقامات کی جو سیر کی اس میں بھی وہ جذبہ محبت خاندان نعمت اللّٰہی کار فرما رہی ہو گی، مگر مطبوعہ دیوان میں جو مدحیہ کلام ملتا ہے وہ صرف میر میران اور ان کے تیسرے فرزند شاہ خلیل ہی سے متعلق ہے، بظاہر وہ وجوہ معلوم نہ ہو سکے جن کی بنا پر وحشی نے شاہ خلیل اللہ کو ان کے تین بھائیوں پر ترجیح دی۔

رشید یاسمی نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ وحشی یزد میں درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا مثلاً

[1] ذیل حالات وحشی، [2] ورق ۹۸، ب، [3] میر میران کے دادا امیر نظام الدین عبد الباقی یزد میں پیدا ہوئے اور تفت میں مدفون ہوئے، شاہ اسمٰعیل کے وزیر اعظم تھے، جنگ چالدران میں شہید ہوئے (دہبقت اقلیم ص ۱۷۵-۱۷۶) اُن کے صاحبزادے سید نعیم الدین نعمت اللہ ثانی کے ساتھ شاہ طہماسپ نے اپنی بہن خانش خانم کا عقد کر دیا، اُن کا انتقال ہمدان میں ہوا۔ (ص ۱۷۶)،

ایک جگہ لکھتے ہین[۱]:-

وریۂ درکنج عزلتے مناسب تر بحال خویش اختیار نمود وسالہا دریکے از محلات آرام دار العبادہ خود

را محبوس ساخت و فی الحقیقت در زندان اسکندر حبس دیگر برائے خود اختیار نمود۔

دوسری جگہ رقم طراز ہین[۲]:-

جز ایامے کہ احتیاج اور ابحضور ممدوح می برد باقی اوقات را در زندان خود صرف می کرد۔

این حصارے بود کہ حتی الامکان حالت مجذوبیت و اسرار عاشقانہ و ستور سرگشتگی او را

مخفی می داشت۔

بقول رشید[۳]،

وحشی این انزوائے ممتد را برائے ندیدن روئے نا اہلان ادامہ می داد:-

چرا خود را کسے در دام صد بے نسبت اندازد	رود با یک جہان نا اہل طرح صحبت اندازد

باغم و بے کسی و تنہائی می ساخت و از معاشرت نامناسبان پرہیز می کرد:-

یک ہمدم و ہم نفس ندارم	می میرم و ہیچ کس ندارم

در ناظر و منظور[۴] چند جا این میل گوشہ گیری را اظہار داشتہ است

اگر صد سال باشی با کسے یار	پشیمانی کشی در آخرِ کار

(ص ۲۳، ۲۴ و حاشیہ ص ۲۴)

غرض کہ رشید نے اُس کو اُس کے کلام مین ایک خلوت نشین عارف پایا ہے، مگر حقیقت حال

یہی نہین ہے، ممکن ہے کہ وہ گوشہ گیری کی طرف مائل ہو چکا ہو جس کی طرف غضنفر نے اپنی

رباعی سے

---

[۱] مقدمہ فرہاد و شیرین ص ۱۰ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] حاشیہ ص ۲۴

وحشی دبر او رش کہ خلوت کردند ایخ

مین اشارہ کیا ہے، اور اس کا بھی امکان ہے کہ نا اہلون کی کثرت، ان کی غیر معمولی ترقی اور امرا

کی صحبت سے ایک گونہ بیزاری ہو چکی ہو جس کا اظہار ناظر و منظور مین معلوم ہوتا ہے، مگر اسکی غزلون

سے یہ ثابت کرنا کہ وہ ایک عارف باللہ اور صوفی باخدا تھا محض شاعرانہ خیال ہے، اس کے

علاوہ چونکہ ناظر و منظور ہی مین اس نے اس جذبے کا اظہار کیا ہے اس لئے قیام یزد سے اسکی

گوشہ گیری کو منسوب کرنا غلط ہے کیونکہ احتمال قوی ہے کہ اس مثنوی[۱] کی ترتیب و تکمیل کے

وقت وہ کاشان مین تھا۔

بقول رشید یاسمی وحشی کے زمانہ مین چونکہ یزد کو کوئی سیاسی[۲] اہمیت حاصل نہ تھی جنی کہ:-

در زاویۂ محقرے[۳] کہ وحشی پنہان بود ہیچ واقعہ کہ بگوش مورخین عصر رسیدہ۔ اتفاق نیفتاد

...شہر یزد در عہد طہماسپ و سلطان محمد صفوی، میدان ہیچ واقعہ بزرگے کہ حیات شاعر

را از پرتو شعلہ ہائے خود روشن نماید نگشت۔

اس لئے اس کا کلام سیاست سے متاثر نہ ہو سکا، مگر وحشی کی زندگی رشید کے مرتب کئے

---

[۱] یہ ۹۶۶ھ مین مکمل ہوئی، دیکھو بحث بہ سلسلۂ کلیات در آخر مقالہ [۲] سیاسی اعتبار سے یزد کو کوئی

اہمیت حاصل رہی ہو یا نہ مگر قدرت کی فیاضی سے یزد کو جو حصہ ملا تھا وہ شاید ایران کے چند ہی شہرون

کو نصیب ہوا اور عراق عجم کے شہرون مین تو سب سے زیادہ ممتاز یہی تھا، چنانچہ مولف ہفت اقلیم نے وحشی کے

انتقال کے دس سال کے اندر لکھا ہے:-

شہرے ست بغایت لطافت...

چہ فیض است آن کہ در ان بر زمین است	بہشت ار ہست گوئی خود ہمین است

خصوصاً عالیشان عمارات اور باغات کی کثرت نے اس خطہ کو "جنت ارضی" بنا رکھا تھا، (ہفت اقلیم ص ۲۸-۱۲۷)

[۳] مقدمۂ فرہاد و شیرین ص ۱۱۸

ہوئے نقشہ پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ قیام یزد ہی کے دوران میں اُس نے مرزا محمد عبد اللہ حاکم یزد کی تعریف میں ایک قصیدہ[1] لکھا جس میں وزیر اعظم وقت کی بھی مدح شامل کی، اس کے قبل[2] شاہ طہماسپ کی مدح میں بھی متعدد نظمیں لکھیں، میرزا ے مذکور ۹۸۰ھ کے قبل حاکم مقرر ہوچکا تھا چنانچہ مقصود کے قتل[3] کے موقع پر اُس نے قاتلوں کی تفتیش میں بڑی کوشش کی، اس سے صاف[4] پتہ چلتا ہے کہ وحشی کی مفروضہ گوشہ نشینی میں صداقت کا عنصر کم ہے، چند اور واقعات میں جن کی صراحت سے یہ بات صاف ہوجائے گی کہ درویشی کی زندگی محض ایک خیال ہے جس کا واقعہ سے تعلق بہت کم ہے،

قیام یزد کے دوران میں اُس نے اپنا پرانا مشغلہ جاری رکھا، ۹۷۵ھ کے بعد ہی اُس نے ظہوری[5] سے مناظرہ و مقابلہ کیا، خلاصۃ الاشعار کی صراحت کے بموجب تقریباً ۹۸۵ھ[6] میں ملا حاتم یزد گیا، ان ایام میں وحشی یہاں موجود تھا، اس لئے بعید نہیں کہ اُس سے بھی مقابلہ کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہو، کیونکہ فہمی اُس کا ساتھی تھا جس نے وحشی کی مذمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، ۹۸۰ھ کے قبل مقصود یہاں پہنچا ہے، چونکہ وحشی کے کاشان کے ساتھیوں میں تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ پھر یہاں شعر و شاعری کا بازار گرم ہوا ہو، تقی اوحدی کی تشریح کے اعتبار سے وحشی نے عرفی سے کئی بار تحریری مناظرے و مباحثے کئے، خصوصاً آخر الذکر کے ہندوستان آنے کے ۵ سال[7]

---

[1] دیوان ص ۱۳۸-۳۹، [2] شاہ کا انتقال ۹۸۴ھ میں ہوا، مرزا محمد سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ کا حاکم ہے [3] ذیل حالات یزد و مرزا عبد اللہ کہ دریں ولا حاکم آن ولایت بود، الخ

[5] آ ترج، ص ۳۹۴ [6] ذیل حالات حاتم. سلطان محمد کی تخت نشینی کے وقت دویزد گیا اور وہاں ایک سال تک شعر و شاعری کے مراسم بجا لاتا رہا،

[7] عرفات ورق ۵۰۲، ۵۰۳،

قبل دونوں میں چند بار مناظرے ہوئے، چونکہ عرفی ۹۹۲ھ میں ہندوستان آیا اس لئے ان مناظروں کو ۹۸۷ھ کے قریب کا سمجھنا چاہیئے،

ذیل کی تاریخوں میں وحشی کی یزد میں موجودگی ثابت ہے۔

۱۔ ۹۷۵ھ کے بعد۔ ظہوری کے ورود یزد کے موقع پر،

۲۔ ۹۸۷ھ میں ۔ میرزا عبد اللہ اعتماد الدولہ کے دوران حکومت میں،

۳۔ ۹۸۸ھ[1] " ۔ عرفی سے مناظرے کے وقت،

۴۔ ۹۹۰ھ " ۔ میر میران کی ایک عمارت کی تعمیر کے موقع پر، ان ہی ایام میں اس نے خان قلی[2] کا مرثیہ اور تاریخی قطعہ بھی لکھا،

۵۔ ۹۹۱ھ[3] " ۔ وفات کے وقت،

وحشی کا قیام شاہزادہ فاضل[4] کے قریب تھا، یہ ایک محلہ تھا جو شہزادہ فاضل برادر امام رضا علیہ السلام کی زیارت گاہ ہونے کی بنا پر زیارت شاہزادہ فاضل کے نام سے موسوم ہوا، میخانہ اور عرفات[5] کی صراحت کے بموجب وحشی اسی محلہ کے برابر محلہ سر برج میں جو حصار قلعہ کے نزدیک تھا، مدفون ہوا، اس سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ اسی کے قریب اُس کی سکونت گاہ تھی، (باقی)

---

[1] مقدمۂ فرہاد و شیریں ص ۲۱، حاشیہ ۲، [2] غسل گاہ کی تاریخ بنا ۹۹۰ھ، [3] ایضاً حاشیہ ص ۲۲ [4] وفات بالاتفاق یزد میں واقع ہوئی [5] مقدمۂ فرہاد و شیریں ص ۱۳ حاشیہ [6] ص ۱۵۴ و ورق ۸۹، بالترتیب،

سودا کی صحیح عمر

از جناب کلب علی خان صاحب فایق رام پوری

اردو کے شعرائے قدیم کی عمرون کا مسئلہ ہمیشہ سے پیچیدہ رہا ہے لیکن مرزا محمد رفیع سودا کی عمر کے تعین مین تذکرہ نویسون سے جو غلطیان ہوئی ہین وہ لطائف مین جگہ پانے کے قابل ہین صاحب آبحیات کا دور ادبی تحقیقات کے لئے موزون دور نہ تھا، اس وقت اردو شعراکے قدیم تذکرے اشاعت نہ پاسکے تھے، اور ان تک دسترس دشوار تھی لیکن متعدد تذکرون کی موجودگی مین جدید تذکرہ نگارون سے اہم غلطیون کا سرزد ہونا نظر انداز نہین کیا جاسکتا ہم اس سلسلہ مین دو مقالون سے بحث کرین گے جو اشاعت پاچکے ہین یعنی تذکرۂ سودا مصنفہ شیخ چاند صاحب مرحوم اور "لکھنؤ کا دبستان شاعری" مصنفہ ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب صدیقی ،

شیخ چاند مرحوم لکھتے ہین کہ :- سنہ پیدائش مشتبہ ہے، آزاد نے ۱۱۲۵ھ لکھا ہے، قائم نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ کے زمانے (۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ) مین مرزا رفیع، بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گئے تھے، اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کرلین تو اس زمانے مین ان کی عمر فوجی ملازمت کے لئے کم از کم ۱۸ سال ہوگی اور اس لحاظ سے سن ولادت ۱۱۰۶ھ سے قبل ہوسکتا ہے میر حسن نے ۱۱۸۵ھ اور ۱۱۸۸ھ کے مابین لکھا ہے کہ ان کی عمر ۷۰ سال کی ہوگی اس اعتبار سے ان کا سال ولادت ۱۱۱۵ھ اور ۱۱۱۸ھ کے درمیان

لہ تذکرہ سودا ص ۵ تا ص ۳۰ ،

پڑتا ہے ہمارے خیال مین قائم کا بیان زیادہ معتبر ہے ،

ڈاکٹر ابواللیث صاحب "دبستان شاعری"[1] مین تحریر فرماتے ہین کہ "ٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ مین کلیات سودا کا ایک نادر قلمی نسخہ ہے اور اس پر کسی صاحب پچھمی نرائن کی مہر اور ۱۱۱۶ھ لکھا ہوا ہے یہان یہ ملحوظ رہے کہ یہ پچھمی نرائن مشہور تذکرہ نویس نہین ہین جن کا تخلص شفیق تھا اور ۱۱۵۸ھ مین پیدا ہوئے یہ مہر کتاب مین تین جگہ موجود ہین نسخہ اول و آخر سے مکمل ہے صرف آخری صفحہ پر ایک سطر جلد بندی مین کٹ گئی ہے ممکن ہے اس مین سنہ کتابت اور نام کاتب وغیرہ درج رہا ہو، اس طرح اس نسخہ کی کتابت کی تاریخ کا تعین دشوار ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ۱۱۱۶ھ کے بجائے اس کے قریبی زمانہ مابعد کا ہو،،

ہمارا خیال ہو کہ ولادت ۱۱۰۰ھ سے قبل ہوئی ہوگی اور اگر یہ بھی مان لین کہ دیوان ۱۱۱۶ھ ہی مین پچھمی نرائن کے قبضہ مین آیا تو اس وقت سودا کی عمر پندرہ سولہ سال کی ہوچکی ہوگی اور اس عمر مین سودا جیسے قادر الکلام شاعر کا صاحب دیوان ہونا کوئی تعجب کی بات نہین، دیوان مرتب ہونے کے مسئلہ پر بھی اس نسخہ سے کافی روشنی پڑتی ہے، شیخ چاند سودا کے رسالہ سبیل ہدایت ۱۱۸۸ھ کی ایک عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ سودا کی شاعری کی شہرت کی ابتدا ۱۱۴۸ھ کے قریب ہوئی ہوگی، کیونکہ سبیل ہدایت مین وہ اپنی شاعرانہ شہرت کی مدت ۴۰ سال بتاتے ہین ...... ہمارا خیال ہے کی تائید پیش نظر قلمی نسخہ سے بھی ہوتی ہے، صحیح معلوم ہوتا ہے کہ سودا کی شاعری ۱۱۱۶ھ کے قریب شروع ہوچکی تھی ...... اور اس مین سوائے تضحیک روزگار کے کوئی قصیدہ شامل نہین ....

اس بحث کا خلاصہ یہ ہوگا کہ سودا کی ولادت یقیناً ۱۱۰۰ھ سے قبل ہوئی اور انھون نے غزل گوئی سے اپنی شاعری کی ابتدا کی ۱۱۱۶ھ کے قریب کسی سنہ مین ان کا کلیات مرتب ہوا جس میں علاوہ غزلون کے قصیدہ تضحیک روزگار اور چند رباعیان شامل ہین ؛

لہ لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۸۷ تا ۸۹ ،

مذکورہ بالا آراء قبل از ۱۱۰۶ھ و ۱۱۰۰ھ کی ولادت پر متفق ہیں، اب ہم ان دونوں رایوں کو مزید روشنی میں جانچتے ہیں تو کوئی رائے بھی صحت سے قریں نہیں معلوم ہوتی، اولاً شیخ چاند مرحوم کی رائے کے دلائل قابل ملاحظہ ہیں، انھوں نے قائم کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:-

مرزا ابوطالب[۱] المتخلص بہ طالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبہ بلند شہر کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقۂ آشنائی با عموئے بزرگوار حضرتم مرزا رفیع صاحب بہم رسانده ہمراه لشکر ظفر اثر بہ رفاقت ایشان برائے کار جاگیر خود بہ دار الخلافہ شاہجہان آباد رسیده تا مدتے در اقامت نموده ہم خانۂ ایشان بود و بعضے ازیں احوال داشت کہ سابق مرقوم شده زبانی مرزا ابوطالب مسطور بہ مرزا صاحب رسیده بود و از ایشان علی سبیل ذکر مذکور بہ فقیر معلوم گردیده۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب بہادر شاہ کا لشکر دکن گیا اور کب واپس آیا، ۱۱۲۰ھ[۲] میں کام بخش کی سرکشی کی خبر پر بہادر شاہ اکبر آباد ہوتا ہوا اوائل جمادی الاولیٰ میں برہان پور میں داخل ہوا، آخر شوال میں حیدر آباد کے قریب پہنچا، ۳ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ[۳] کو بادشاہ کا خیمہ حیدر آباد سے تین کروہ پر لگا، مقابلہ ہوا، کام بخش زخمی ہو کر مارا گیا (بقول صاحب سیر المتاخرین ۳ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ کو یہ واقعہ پیش آیا) بادشاہ نے اول ربیع الاول ۱۱۲۱ھ[۴] میں دار الخلافہ کے قصد سے کوچ کیا، وسط جمادی الاول کو اورنگ آباد میں آیا، اور آخر مہینے میں یہاں سے کوچ کیا، آخر رجب میں بادشاہ برہان پور میں آیا، یہ مشہور شکار گاہ و سیر گاہ ہے، یہاں رہنے کا ارادہ تھا کہ راجپوتوں کے فساد کی خبر آئی۔ . . . . اوائل شعبان کو یہاں سے کوچ کیا، آب نربدا ماہ رمضان میں آیا، گذر اکبر پور پر مقام کیا، عید فطر کے بعد آب نربدا سے عبور کیا، جب سرحد اجین پر پہنچا تو اس نے خبر سنی کہ اطراف نواح دار الخلافہ اور پنجاب میں سکھوں نے فساد مچایا ہے . . . . . لیکن اس نے اول راجپوتوں کا معاملہ طے کرنا چاہا چنانچہ خانخانان منعم بہادر کی

[۱] مخزن نکات ص ۹۹، ۱۰۰ [۲] تاریخ ہندوستان جلد دہم مولوی ذکاء اللہ صاحب [۳] ایضاً [۴] ایضاً

معرفت بعض شعرائے . . . . صحیح ہوئی،

اگر جشن سال چہارم ذی الحجہ ۱۱۳۳ھ کے موقع پر مرزا ابوطالب کی موجودگی دہلی میں مان لی جائے، چونکہ اس سے قبل واپسی لشکر کا کوئی امکان نہیں ہے اور مرزا کی عمر اس وقت ۲۵ سال تصور کر لی جائے اور اس کی ملاقات براہ راست ابوطالب سے مان لی جائے تب سال ولادت آغاز ۱۱۰۶ھ قرار پاتا ہے، لیکن قائم کا جملہ دوسرے معنی بھی رکھتا ہے کہ سودا کے چچا سے مرزا ابوطالب کا تعارف تھا اور اس بنا پر ۱۱۲۱ھ میں وہ چند دن سودا کے چچا کے یہاں مقیم رہا اور ان سے شعر و شاعری کا بھی تذکرہ ہوا، قدیم دستور کے مطابق ہر شخص کی ملکیت ذاتی بیاض بھی ہوتی تھی، شعرائے دکن کے حالات بیاض ابوطالب سے اخذ کئے گئے اور یہ بیاض یا خود ابوطالب کی بیاض کا نسخہ سودا کو ملا اور سودا سے یہ حالات قائم تک پہنچے، قائم نے اس بیاض کے علاوہ ایک اور بیاض سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، ملاحظہ ہو:-

آتف[۱] تخلص شخصے در دکھن بوده است، این یک شعر بنامش در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایان والد فقیر مؤلف بوده اند نوشتہ۔

سید عبد الولی عزلت کی بیاض سے شعرائے دکن کے حالات میر قائم وغیرہ نے لکھے ہیں،

میر کا تذکرہ "نکات الشعراء" اردو شعراء کی مستند داستان کی حیثیت رکھتا ہے، دونوں نہ صرف معاصر بلکہ میدان سخن کے ایسے شہسوار ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوشش برابر جاری ہے، میر کا بیان سودا کی عمر کے بارے میں اہم ترین دستاویزی ثبوت ہے، سودا کے علاوہ دوسرے بعض معاصرین کی عمروں کا لگ بھگ اندازہ بھی نکات الشعراء سے ہو سکتا ہے، جو ان شعراء کی فہرست نکات الشعراء سے نقل کی جاتی ہے:-

میرزا رفیع[۲] المتخلص سودا کہ جوانے است خوش خلق و خوش گو، گرم جوش، یار باش، شگفتہ رو

[۱] مخزن نکات ص ۹ [۲] نکات الشعراء ص ۳۲،

مولد او شاہجہان آباد است نوکر پیشہ

خواجہ میر درد[1] ..... جوان صالح از درویشی بہرۂ وافی دارد"

اشرف علی خان فغان[2] -- کوکہ پادشاہ احمد شاہ .... بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا

محمد قائم قائم[3] - جوانیست خیر و وطیرہ و حسن پرست، نوکر پیشہ .

بیدار[4] - جوانیست از یاران مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق ،

میان نجم الدین علی سلام[5] - جوانے خوبست

میر عبد الرسول نثار[6] - جوان سعادت مند ،

میر حسن حسن[7] ..... جوان اہلیت نوکر پیشہ ....

میان صلاح الدین تمکین[8] ..... جوانے بے تمکینے و تمکین ...

میان ضیا الدین ضیا[9] ..... جوانیست مہذب

میر گھاسی[10] ..... جوانیست فہمیدہ ،

محمد میر سر[11] ..... جوانیست بیار اہل، خوش طبع

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ جوان کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے؟ ہمین اس مسئلہ مین دوسرے تذکرہ نویسون سے مدد ملتی ہے مثلاً ریاض الفصحا مین مصحفی لکھتے ہین :-

شیخ امام بخش ناسخ[12] ... جوان سمین و سپاہی وضع و مہذب الاخلاق دیدمش، عمرش سی و ہفت سالہ

شیخ محمد بخش مہجور[13] ... جوان ظریف الطبع و مہذب الاخلاق است ... عمرش چہل و پنج سالہ خواہد بود .

[1] نکات الشعراء ص ۳۰ [2] ایضاً ص ۷۰ [3] ایضاً ص ۱۳۰ [4] ایضاً ص ۱۴۰ [5] ایضاً ص ۱۴۱ [6] ایضاً ص ۱۴۳ [7] ایضاً ص ۱۵۰ [8] ایضاً ص ۱۴۵ [9] ایضاً ص ۱۴۰ [10] ایضاً ص ۱۵۲ [11] ایضاً ص ۱۵۵ [12] و [13] ریاض الفصحی علی الترتیب صفحات ۳۴۴ و ۱۵ ۔

قمر الدین احمد خان عرف مرزا حاجی قمر[1] ... جوانیست گرم خون و شیرین ... سن عمر شریفش از چہل متجاوز خواہد بود ،

انتخاب یادگار[2] مین منشی امیر احمد امیر مینائی کی رائے ملاحظہ ہو :-

موجد حشمت علی خان ... چالیس برس کی عمر ہے مرد خوش رو ہین جوان خوش خو ہین ،

ذکیہ وزیر علی خان[3] ... ابتدائے عمر مین دہلی گئے مومن خان مرحوم سے مستفید ہوئے ... بیالیس برس کی عمر مین عین شباب مین مسلول ہو کر وفات پائی ،

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ متاخرین کی نظر مین جوانی کا عالم ۴۵ سال تک رہا ہے متوسطین یعنی میر وغیرہ کی نظر مین پچاس برس تک جوانی کی حد شمار کی جائے اور نکات الشعراء کی تالیف کے وقت ۱۱۶۵ھ مین سودا کی عمر انتہائی عہد شباب کی پچاس برس مان لی جائے جب سن پیدائش ۱۱۱۵ھ قرار پاتا ہے اور اگر پینتالیس برس مانی جائے تب سن ولادت ۱۱۲۰ھ ہوتا ہے میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو مین سودا کی عمر وضاحت سے لکھدی ہے جو محل نظر ہے ملاحظہ ہو :-

مولدش شاہجہان آباد[4] سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد نوکری پیشہ الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بوسیلہ فن شاعری سرفراز است ،

سودا فرخ آباد سے لکھنؤ ۱۱۸۰ھ کے لگ بھگ پہنچے اور نواب شجاع الدولہ کا تقرب حاصل کیا ، ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ مین شجاع الدولہ کا انتقال ہوا اس سے یہ ثابت ہوا کہ ۱۱۸۵ھ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان سودا کا ذکر داخل تذکرہ ہوا اور بحساب ۱۱۸۵ھ سن ولادت ۱۱۱۵ھ اور بحساب ۱۱۸۸ھ سن ولادت ۱۱۱۸ھ برآمد ہوتا ہے میر حسن نے عمر کے اندازہ مین بیشی کی ہے کمی نہین کی، مثلاً مرزا جانجانان مظہر[5] کی عمر

[1] ریاض الفصحا ص ..... ۵۹ [2] انتخاب یادگار ص ۳۶۶ [3] ایضاً ص ۳۹۲ [4] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۱۲ [5] مرزا مظہر جانجانان ..... سن شریفش نزدیک نود رسیدہ باشد الحال بطرف سنبھل مراد آباد واستقامت دارد و ہمانجا وعظ می فرماید

(باقی ص ۷۰)

نوے سال مجمل مراد آباد کے سفر کے وقت لکھی ہے اور یہ سفر مرزا صاحب کا سنہ ۱۱۸۴ھ مین ہوا ہے، اس سفر کے وقت ان کی عمر تخمیناً ۷۳ سال تھی چونکہ تاریخ تولد[1] "تولد صاحب شرع" ہے جس سے سنہ ۱۱۱۱ھ بر آمد ہوتے ہین اس لیے میر غلام علی آزاد بھی اسی کی تائید کرتے ہین اُس طرح مرزا مظہر کے اندازہ مین سولہ سال کا فرق نکلتا ہے یہی صورت سودا کے تخمینہ عمر مین ہوسکتی ہے اگر پانچ ہی سال کا فرق مان لیا جائے تو سنہ ولادت سنہ ۱۱۲۰ھ یا سنہ ۱۱۲۳ھ ہوسکتا ہے اور اڑسٹھ سال عمر کے لحاظ سے سنہ ۱۱۱۶ھ یا سنہ ۱۱۲۰ھ سن پیدایش ہونا چاہیے، میر اور حسن کے نظریے کی مطابقت سنہ ۱۱۱۸ھ اور سنہ ۱۱۲۰ھ کے درمیان ہو جاتی ہے اور یہی ہمارے نزدیک صحیح بھی ہے، سودا کی عمر کا اندازہ اُن کی شاعری سے بھی کیا جا سکتا ہے،

کلیات سودا میں رسالۂ عبرت الغافلین اور دیباچہ مرثیہ سے مدت شاعری علی الترتیب ۴۵ سال اور ۴۰ سال پائی جاتی ہے، ملاحظہ ہو عبرت الغافلین :-

"چنانچہ بندہ ہم از چہل و پنج سال اوقات خود در فن ریختہ ضایع ساختہ است"،

دیباچہ مرثیہ مین ہے :-

مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا ہے کہ گوہر سخن عاصی زیب گوش اہل ہنر ہوا ہے،

شیخ چاند مرحوم سنہ ۱۱۴۴ھ سے ابتداے شہرت شاعری سودا قرار دیتے ہین،

ہمارے نزدیک اس اہم مسئلہ مین سب سے اہم شہادت سودا کے شاگرد رشید قائم کی ہوسکتی ہے جو سودا سے منحرف ہو کر بھی ان سے جدا نہ ہوسکے اور سودا کے بعد بھی اُن ہی کا نام لیتے رہے ؎

ایک سودا کی تو قائم نہ کہون مین ورنہ ہے ترا طرز سخن حد بشر سے باہر

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹) (تذکرہ شعراے اردو مقدمہ پتور الفصاحت ص ۸۰) [1] رسالۂ "بیان حالات مرزا جانجانان مظہر" ص ۶۱ از شاہ غلام علی صاحب، مطبوعہ احمدی سنہ ۱۲۷۵ھ - ولادت با سعادت حضرت ایشان در سنہ ہزار و صد و یازدہ یا سیزدہ ہجری یازدہم رمضان المبارک وقت فجر روز جمعہ بود ... "تولد صاحب شرع" تاریخ ولادت آمد،

سنیئے کس کا سخن کہ دل سے مٹے داغ مرزا رفیع سودا کا

مخزن نکات مین انھون نے شاعری کے تین دور قرار دیئے ہین، قدما، متوسطین، متاخرین، متقدمین مین سعدی، ملا نوری، محمد افضل، عبد اللہ قطب شاہ، مرزا ابو القاسم، فضلی، غوثی، روحی، شاہی، قادر، آزاد، ابو طالب، ولی وغیرہ اُس دور کے شعرا کی بابت ان کی یہ راے ہے،

عہد عبد اللہ قطب شاہ سے بہادر شاہ کے زمانہ تک کے شعرا کا کلام مقبول و مربوط ہے . . . . . . بلیکن شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ نے اپنے اعتقاد مین تلاش الفاظ تازہ و در ایہام مین شعر کو مرتبۂ بلاغت سے گرا دیا معنی کا کیا ذکر،

متوسطین کی فہرست یہ ہے،

شاہ مبارک آبرو، سراج الدین علی خان آرزو، یکرنگ، سعادت، اشتیاق، مضمون، احسن اللہ، سامان، پیام، بیتاب، حاتم، عاصی، سجاد، بہار وغیرہ،

اس فہرست مین وہی شاعر ہین جنھون نے ابتداے عہد محمد شاہ سے شاعری مین حصہ لیا، گرچہ ان مین سے بعض متاخرین کے عہد تک رہے، جیسے حاتم وغیرہ،

متاخرین کی فہرست مین شمس الدین فقیر، مظہر مرزا رفیع سودا، خواجہ میر درد، محمد تقی میر، اشرف علی خان فغان، میر محمد حسین کلیم، ہدایت اللہ خان ہدایت، احسن اللہ بیان، بدھ سنگھ قلندر، محمد میر سوز، محمد فقیہ دردمند، انعام اللہ یقین، میر باقر حزین، میر محمد یار خاکسار، میر عبد الحئی تابان، غازی الدین خان، مہربان خان رند، بندرابن راقم، میر ضیا، شاہ قدرت اللہ قدرت، میان محمد تقی بیدار، میر عبد الولی عزلت، میان محمدی مائل، قائم وغیرہ،

متوسطین اور متاخرین کی فہرست دیکھ کر بادی النظر مین یہ دھوکا ہوتا ہے کہ قائم نے یہ فہرست سوچ سمجھ کر نہین بنائی ہے اور بعض متوسطین کے نام متاخرین کی فہرست مین شامل کر دیئے ہین اور

متاخرین کے نام متوسطین کی فہرست میں لیکن اگر دونوں طبقوں کی مشق کا جائزہ لیا جائے تو یہ شکوک رفع ہو جائیں گے، مثلاً مرزا جانجاناں مظہر جن کا سن ولادت ۱۱۱۱ھ ہے وہ متاخرین کی صف میں ہیں، اور حاتم اور سجاد متوسطین میں جب کہ حاتم کا سال ولادت ۱۱۱۱ھ ہے، پھر مرزا جانجاناں مظہر کے ڈھائی سال بعد ۱۱۹۷ھ میں حاتم کا انتقال ہوا، سجاد میر کے معاصر اور ہم وطن ہیں، انھیں ناجی اور مضمون وغیرہ کے ساتھ ملانا کیا معنی، مگر جب سجاد کو شاگرد آبرو بتایا جاتا ہے تب ہمیں ان کی شاعری کا آغاز بھی معلوم ہو جاتا ہے، آبرو کا سال وفات ۱۱۴۶ھ ہے، سجاد کی شاعری اس سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، وہ متوسطین کے گروہ میں صحیح شمار کیا گیا ہے اور مظہر کا دور شہرت وہی ہے جب کہ انعام اللہ خاں یقین کے کلام کی بابت شعراء میں عام چرچا تھا کہ یقین کا کلام اس کا اپنا نہیں بلکہ مرزا مظہر کا ہے، محمد[1] فقیر درد مند ۱۱۳۶ھ میں جب دہلی آئے تو بچے تھے، اس کے بعد تربیت مرزا جان جاناں مظہر سے پائی اور شاعر بھی ہو گئے، یہ زمانہ ۱۱۴۰ھ کے بعد کا ہو سکتا ہے، اس لئے مرزا مظہر کی توجہ اردو شاعری کی طرف شاگردوں کی اصلاح کے سلسلہ میں مبذول ہوئی، اگرچہ وہ متوسطین کے دور میں شامل ہیں مگر اس عہد میں انھوں نے ریختہ گوئی کی طرف خاص توجہ مبذول نہیں کی ہوگی، اب ذرا متوسطین کی عمروں کا اندازہ کیا جائے تو سب یا تو بارھویں صدی کے شروع میں پیدائش رکھتے ہیں یا گیارھویں صدی ہجری کے آخر میں، مثلاً

[1] در صغر سن ہمراہ والد خود مطابق سنہ ست و ثلثین و مایہ و الف (۱۱۳۶) از دکن بہ دار الخلافہ شاہجہان آباد رسیدہ، در ظل عاطفت شاہ ولی اللہ نبیرہ شاہ گل متخلص بہ وحدت ۔۔۔ جا گرفت ۔۔۔ بعد چندے والد او رخت زندگانی بربست مرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی او را در سایۂ شفقت خود گرفت و بہ یمن عنایت و تربیت ایشان مجموعۂ کمالات شد و در فن سخن رتبہ شایستہ بہم رسانید۔

(سرو آزاد جلد دوم ص ۲۳۴ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی)

آبرو کا سال وفات ۱۱۴۶ھ ہے، اگر پچاس سال عمر بوقت انتقال فرض کی جائے تو سنہ ولادت ۱۰۹۶ھ قرار پائے گا، ساتاں کا سال فوت ۱۱۴۶ھ ہے، اسی پچاس سال عمر کے اندازے سے سنہ ولادت ۱۰۹۶ھ ہوتا ہے،

اشتیاق کا انتقال ۱۱۵۰ھ میں ہوا، اس طرح اُن کا سن ولادت پچاس سال کی عمر کے حساب سے ۱۱۰۰ھ ہجری قرار پاتا ہے، یہی حال شرف الدین مضمون، غلام مصطفی خاں یکرنگ، میر شاکر ناجی کا ہے، سراج الدین علی خاں آرزو کا سال ولادت ۱۰۹۹ھ ہے، اس کی تصدیق حاتم کے دیوان زادہ کے دیباچے سے بھی ہوتی ہے کہ

> خوشہ چین سخنوران عالم بعبارت محتاج و یمنی حاتم کہ از ۱۱۲۹ھ تا ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد عمر درین فن صرف کردہ، در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را استاد می داند اول کسیکہ درین فن دیوان ترتیب نمودہ او بود فقیر دیوان قدیم پیش از نادر شاہی در بلاد ہند مشہور دارد ۔۔۔۔۔۔ معاصران فقیر شاہ مبارک آبرو و شرف الدین مضمون و مرزا جانجاناں مظہر و شیخ احسن اللہ احسن و میر شاکر ناجی و غلام مصطفی یکرنگ است،

اسی دیباچہ میں حاتم نے سودا کا تذکرہ شاگردوں کے زمرہ میں کیا ہے اور سودا نے اپنی زندگی میں اس کی تردید کی جرأت نہیں کی، اگر یہ بات بے بنیاد ہوتی تو حاتم کی ہجو کلیات سودا میں ضرور ملتی، سودا نے کس کو بخشا ہے جو حاتم کو معاف کر دیتے، میر حاتم کی رگ کہنیت سے شاکی ہیں، پھر وہ سودا کی کہنہ مشقی کے معترف کیوں نہ ہوتے، یا انھوں نے عمر کا کھلا بیان بحیثیت جوانی کیوں کیا، ظاہر ہے کہ سودا حاتم کی جیسی عمر نہیں رکھتے تھے، ۱۱۶۵ھ میں حاتم کی عمر ۵۴ سال ہوتی تھی، اسی وجہ سے انھوں نے حاتم پر طنز کیا، لیکن سودا جن کی عمر پچاس سال سے اس وقت کم تھی جوان کی حیثیت سے تذکرہ کیا، اور ان کی صفت یار باشی کا بھی حوالہ دیا ہے، میر آدر سودا

مین چشمک معاصرانہ رہی لیکن حاتم نے اُن کو زمرۂ شاگردان مین رکھ کر بزرگانہ برتاؤ برتا، اس لیے میر ثانی ہوئے، لکھتے ہین :-

شیخ محمد حاتم حاتم از شاہجہان آباد است می گوید کہ من با میان آبرو ہم طرح بودم مرد بیت جاہل و تمکین، و منقطع وضع، و یہ آشنا غناند اردو، دریافتہ می شود کہ این رگ کہن بسبب شاعری است کہ ہیچ من دیگرے نیست یا وضع او ہمین است با من ہم آشنائے بیگانہ است،

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میر نے سودا کو جوان صحیح طور پر لکھا،

سودا کو آبرو کے ساتھ ہمطرح ہونے کا دعویٰ نہ تھا، نہ کسی معاصر نے اس کو بیان کیا اور نہ قائم نے جو سودا کے شاگرد ہین اس کا تذکرہ کیا ہے، آبرو کا انتقال سنہ ۱۱۴۶ھ مین ہوا ہے اگر سودا کی شاعری سنہ ۱۱۴۶ھ سے قبل شروع ہو گئی ہوتی تو میر اور قائم وغیرہ اس کا تذکرہ کرتے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سنہ ۱۱۴۶ھ کے بعد ہی سودا کی شاعری شروع ہوئی اور سنہ ۱۱۴۰ھ مین شاعری کا آغاز ہونا غلط قیاس ہین مذکورہ بالا امور کی روشنی مین مرزا ابوطالب سے سودا کی ملاقات کا امکان ہی بحالت شعور نہین پیدا ہوتا، مرزا ابوطالب کی آمد کے وقت سودا کی عمر ۳ یا ۴ سال کی ہوتی ہے اس ملاقات کو جو بچپن مین ہوئی کوئی حیثیت حاصل نہین ہوتی، نہ اس عمر کی کوئی بات یاد رہ سکتی ہے، البتہ اپنے بزرگون سے اس زمانہ کی باتون کو عالم شعور مین سنکر بیان کرنا کوئی نئی بات نہین، البتہ مرزا ابوطالب کی بیاض یا اس کی نقل ضرور مرزا رفیع سودا تک اپنے چچا کے ذریعہ پہنچی اور اسی بیاض سے قائم نے فائدہ اٹھایا اور اپنے تذکرہ مین حوالہ بھی دیدیا، جیسے عبد الولی عزلت کی بیاض سے میر صاحب وغیرہ نے فائدہ اٹھایا ہے، اب ڈاکٹر ابو اللیث صاحب کے نادر نسخہ دیوان کا مسئلہ رہ جاتا ہے جس مین قصیدہ تضحیک روزگار بھی شامل ہے قصیدہ کا موضوع مرہٹون کا دہلی پر حملہ ہے جو ذی حجہ سنہ ۱۱۴۵ھ مین ہوا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس قصیدہ کی شمولیت ہی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کی مہر بھی نرائن کی سنہ ۱۱۱۶ھ کی نہین بلکہ

مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور کے بقول یہ مہر سنہ ۱۱۶۷ھ کی ہے جو غور سے صاف پڑھی جاتی ہے (موصوف نادر نسخہ دیکھ چکے ہین) اور بچھمی نرائن شفیق کی ہی ہو سکتی ہے، اگر ان بچھمی نرائن کی مہر ملنے مین تامل ہو تو نواب احمد خان والی فرخ آباد سے نواب صفدر جنگ وزیر دہلی کا جنگ شوال سنہ ۱۱۶۳ھ مین شکست کھانے کے بعد راجہ ناگرمل اور بچھمی نرائن سے مشورہ کا پتہ چلتا ہے اس لئے ممکن ہے یہ دوسرے بچھمی نرائن ہون،

اس طرح شیخ چاند مرحوم اور ڈاکٹر ابو اللیث صاحب کا مفروضہ باطل ہو جاتا ہے اور سودا کی عمر سنہ ۱۱۱۸ھ یا سنہ ۱۱۲۰ھ کے مابین قرار پاتی ہے اور اُن کا انتقال ۷۶ یا ۷۷ برس کی عمر مین ثابت ہوتا ہے شاعری کی طرف انھون نے دیر مین توجہ کی لیکن بہت ہی جلد اس کمی کو پورا کر لیا، یہان تک کہ میر جیسے شخص کو ریختہ مین اس کی ملک الشعرائی کا اعتراف کرنا پڑا، اردو کی تاریخ مین سودا جیسے ملک الشعراء کے حالات مین ایسی غلطیون کا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ہمارا کام اب شروع ہو رہا ہے اور اگر اس سلسلہ مین کد و کاوش سے کام نہ لیا گیا تو تاریخ ادب اردو صرف داستان بنکر رہ جائے گی،

---

[1] تاریخ اودھ ص ۱۲۲، جلد نہم تاریخ ہندوستان ص ۳۴۲ (مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ) مفتاح التواریخ (مسٹر طامس ولیم بیل) نواب عمدۃ الملک امیر خان انجام ... کلب علی خان رامپور کا قریۂ دیگر نواب خان دوران از مرہٹہ ہزیمت خوردہ باز آمد امیر خان بزبان ہندی این مصرعہ کہ ہم زبانین است گفتہ مصرعہ ص ۲۲۴

نواب آئے ہمارے بھاگ آئے

ادبیات

چمنِ مجاز دے

از جناب شہ زور کاشمیری

عمر دراز کے عوض اک شبِ سوز و ساز دے
شمعِ حریم ناز ہون، شعلۂ جانگداز دے

ڈھونڈ رہا ہے دل مرا کیفیتِ سرود غم
اس دلِ غم نواز کو اک غمِ دل نواز دے

اپنے نفس کو پھونکدون قلب مین ہر جوان کے
فطرتِ نے نواز دے مجھے جذبۂ نے نواز دے

ذہنِ جمود آج ہین عزم و عمل کے نونوی
میری نوائے گرم کو حوصلۂ ایاز دے

عقل جہان ہے باعثِ تیرگیِ رہِ عمل
میرے یقین کو عشق کی مشعلِ ضوطراز دے

مدت دروزیست کو عشق نے مختصر کیا
مین نے کہا تھا تو اسے مشغلۂ دراز دے

کھب گئی ہر نگاہ مین اک یہی طرزِ دلکشی
اب تو حقیقتون کو بھی تمکنتِ مجاز دے

تنگ ہو وسعتِ جہان، راز نہ کیون ہو آشکار
وسعتِ قلب دے مجھے اور بقدر راز دے

طائرِ قلب کا درے نغمہ ہے اجنبی یہان
یا تو اسے سکوت بخش یا چمنِ مجاز دے

غزل

از جناب شارق میرٹھی ایم، اے، بی، ٹی (علیگ)

کبھی جو ہوش مین کچھ تیرے بیقرار آئے
تری گلی مین گئے اور تجھے پکار آئے

بجائے اشک نہ آنکھون مین گر شرار آئے
تو کیون کسی کو مرے غم کا اعتبار آئے

گئے جو سوئے چمن ہم تو اس سے کیا حاصل
مزا تو جب ہے کہ لینے کو خود بہار آئے

نظر بھی اپنی فسردہ ہے دل بھی پژمردہ
یہ حال ہے تو چمن وا اس کیا بہار آئے

یہ پوچھو میری تباہی پہ ہنسنے والون سے
اگر تمھین بھی محبت نہ سازگار آئے

یہ کم نہین کہ ملی فیضِ عشق سے مجھ کو
وہ اک نظر جو ترے حسن کو نکھار آئے

فریبِ دعوتِ صد رنگ و بو سے کیا حاصل
اگر بہار کو آنا ہو تو بہار آئے

تھی آشیان سے عبارت چمن کی آزادی
اب اس کے بعد خزان آئے یا بہار آئے

حیات ذوقِ عمل کے سوا کچھ اور نہین
خدا کرے نہ ترے درد کو قرار آئے

عطا ہوئی غمِ الفت مین مجھکو اے شارق
وہ ایک شانِ تباہی کہ جس پہ پیار آئے

غزل

از جناب نفیس سندیلوی نبیرۂ ملا حمد اللہ شارحِ سلّم

راحت نہ ملی دنیا مین کہین، کوشش سے بھی لئے دل کچھ نہ ہوا
تقدیر کا لکھا مٹ نہ سکا، تدبیر سے حاصل کچھ نہ ہوا

تدبیر کے ناخن ٹوٹ گئے، وا عقدۂ مشکل کچھ نہ ہوا
قسمت کی خرابی کیا کہئے، درمانِ غمِ دل کچھ نہ ہوا

تھا بحرِ محبت بے پایان، مین عقل کا دشمن یہ سمجھا
اب پار گیا اب پار گیا، اندازۂ ساحل کچھ نہ ہوا

جب لطف تپش کا تھا اپنی، ان کو بھی تڑپتا دیکھتے ہم
بے تاب کیا اک عالم کو حیف اے دلِ بسمل کچھ نہ ہوا

تھی راہ محبت صبر طلب، مین زود طلب مین تیز قدم
ہر گام پہ ٹھوکر کھا کر بھی، طے جادۂ منزل کچھ نہ ہوا

اورون کو برا کہنے والے، کچھ سعیٔ عمل بھی کی تونے
غفلت مین بسر کی عمر یونہی، تجھسے تو غافل کچھ نہ ہوا

کچھ ایسی لگی ہے آتشِ غم، عاجز ہین نفیس اب جان سے ہم
آنسو بھی بہا کے دیکھ لئے، رونے سے بھی حاصل کچھ نہ ہوا

مطبوعات جدیدہ

اسلامی فن تعمیر از ارنسٹ ٹاڈ ہیام رچمنڈ تقطیع اوسط، ضخامت ۲۳۵ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد: - معہ ناشر انجمن ترقی اردو ہند، علی گڈھ،

مذکورہ بالا کتاب ارنسٹ ٹاڈ، ہیام رچمنڈ کی تالیف ہے، جو کسی زمانہ مین "مجلس تحفظ آثار عرب مصر کی طرف سے بیت المقدس مین اسسٹنٹ آرکی ٹکٹ تھے، اس کا اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر سید مبارز الدین رفعت نے کیا ہے، اور انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ نے شایع کیا ہے، کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین پہلی صدی ہجری کی اسلامی عمارتون کا ذکر ہے، دوسرے باب مین . . . . قبۃ الصخرہ اور سامرہ اور ابودلف کی تعمیرات پر تبصرہ ہے، تیسرے باب مین مصر کی ابن طولون کی قیروان کی سدی عقبہ کی اور قرطبہ کی مسجدون کی تعمیری خصوصیات پر بحث ہے، چوتھے باب مین فاطمی اور ایوبی دور کی تعمیری یادگارون کا بیان ہے، اور پانچوین باب مین عہد مملوک کی شاندار تعمیری صناعیون کی تفصیلات بیان کی گئی ہین فاضل مؤلف کو تعمیرات سے نہ صرف ذہنی دلچسپی ہے، بلکہ وہ عملی طور پر عرب ممالک کی عمارتون کے آرکی ٹکٹ (معمار) بھی رہے ہین، اس لئے انھون نے اپنے مشاہدات اور تجربات سے کام لیکر اسلامی فن تعمیر کے مختلف پہلوؤن پر مفصل بحث کی ہے جس سے یہ کتاب معلومات کے ساتھ اہم اور باوزن بھی ہو گئی ہے، لیکن ترجمے مین روانی اور سلاست کی کمی کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ مین وہ دلچسپی پیدا نہین ہوتی جس کی وہ مستحق ہے، اس مین شک نہین کہ بعض فنی اصطلاحات کا اردو ترجمہ آسان نہین اور لفظی ترجمہ سے ثقل کا پیدا ہونا ضروری ہے، لیکن ان دشواریون کے باوجود تھوڑی

سی مزید کوشش سے یہ ترجمہ زیادہ بہتر، زیادہ روان اور زیادہ صاف ہو سکتا تھا، "متقاطع لدا وچھتا" "نفی ثقفی شہتیرون"، "بھدی گنڈ چپائی"، "قائم" اور "تماس" وغیرہ اصطلاحات سے تو عبارت مین گرانی پیدا ہو ہی گئی تھی لیکن "مجری فن" (ص ۱۰)، "سنگی اور خشتی معمارون" (ص ۱۹) "تعمیر کار" (ص ۱۴۹) "نشاخچے کمان" (ص ۱۴۵) "مقتدر کل" (ص ۱۵۱) "منزلی زندگی" (ص ۱۶۶) "بنے اوراسیان" (ص ۱۶۹) وغیرہ جیسے الفاظ کے بجائے سلیس اور عام فہم الفاظ آسانی سے مل سکتے تھے، یا حسب ذیل جملون کو ان سے بہتر اور سلیس الفاظ مین ادا کیا جاسکتا تھا، "المقریزی کے اس بیان مین اہم نقاط یہ ہین (ص ۲۶) سوبٹمیا کی ان خشتی مسجدون کی تزئین سنگتر سے کی گئی تھی (ص ۸۲)، انھون نے شیطانی قابلیت کے ساتھ رائے عامہ کو فراہم کرنے کے مسلم ترین طریقے اختیار کئے تھے (ص ۱۴) ایسی ہی بھدی گنڈ چپائی سے جامع الجیوشی کی مرکزی دیوارین بنائی گئی ہین (ص ۱۴۴) بعض مقامات پر انگریزی الفاظ کی پابندی سے عبارت چیستان بن گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے الفاظ کا محض ترجمہ کرکے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے، اور جو کچھ وہ خود سمجھے ہین، اس کو صحیح اور بے تکلف طریقہ سے ادا نہین کر سکے ہین اور ترجمہ مین بے ربط فقرے، مبہم جملے اور حل طلب ترکیبین بہت سی آ گئی ہین، معلوم ہوتا ہے کہ لائق مترجم نے ترجمہ کرنے اور اس کو شایع کرانے مین عجلت سے کام لیا ہے، اسی لئے کتاب مین کوئی مقدمہ اور تمہید بھی نہین ہے، اور کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوتا ہے، اور مصنف کے متعلق معلومات صرف ان دو سطرون سے حاصل ہوتی ہین جو ان کے نام کے ساتھ سرورق پر لکھی ہوئی ہین، حالانکہ دیباچہ یا مقدمہ کے ذریعہ مصنف کا تعارف اور کتاب کی اہمیت ظاہر کرنا ضروری تھا، امید ہے کہ آیندہ ایڈیشن مین ان باتون کا لحاظ رکھا جائے گا، ترجمہ کی ان خامیون کے باوجود یہ کتاب اسلامی فن تعمیر سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے مفید اور لائق مطالعہ ہے،

Prayers of Muhammad (انگریزی) از جناب عبد المجید

فرید صاحب، ایڈوکیٹ، کراچی تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت

مجلد عہ ملنے کا پتہ:- مصنف خان منزل، آرام باغ، کراچی، پاکستان،

اس کتاب مین جناب مرتب نے انگریزی مین ان تمام دعاؤن اور عبادتون کو جمع کر دیا ہے جن کی مختلف پیغمبرون خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، پہلے حصہ مین حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے پیغمبر گذرے ہین ان کی بتائی ہوئی دعائین ہین، اور ان پیغمبرون کی مختصر سی سیرت بھی لکھدی ہے، یہ دعائین وہی ہین جو کلام پاک مین موجود ہین، دوسرے حصہ کی ابتدا مین پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سیرت ہے جو مارماڈیوک پکتھال مرحوم کی Meanings of the Glorious Quran) سے ماخوذ ہے، اس کے بعد وہ تمام عبادتین اور دعائین ہین جو کلام پاک اور حدیث نبویؐ مین مذکور ہین، مختلف اوقات مین پڑھنے کی دعاؤن کو جمع کرکے ان کا ترجمہ انگریزی مین کر دیا ہے، ترجمہ قدیم انگریزی مین انجیل کے طرز کا ہے، حواشی مین دعاؤن کے ماخذ کے حوالے بھی دیدیے ہین، کتاب کے شروع مین بمبئی کے بشپ رائٹ ریورنڈ ڈبلیو، کیو، لیش کا دیباچہ ہے، جس مین دعا اور عبادت کی اہمیت دکھائی گئی ہے اور مؤلف کی محنت اور انگریزی کی تعریف ہے، کتاب مین طباعت کی غلطیان جابجا رہ گئی ہین جس کا اعتراف مطبع والون نے کیا ہے، اردو زبان مین اس طرز کی کتابین تو بہت ملین گی، لیکن انگریزی مین اس نوعیت کی غالباً یہ پہلی کتاب ہے، اس لئے امید ہے کہ انگریزی دان حلقہ مین یہ مقبول ہوگی،

آسان اردو از جناب عبد اللطیف صاحب منصف ریاست اودے پور راجپوتان ضخامت ۴۳ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۴؍ مصنف سے ملے گی،

یہ کتاب ہندی جاننے والون کی اردو کی تعلیم کے لئے لکھی گئی ہے اور تعلیمی ریڈرون کے طرز پر اس کے سبق مرتب کئے گئے ہین، کتاب اس مقصد کے لئے مفید ہے،

"ص ع"

جلد ۷۰ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۵۲ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات